ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۴ شمارہ: ۲۲ ۲۸ مئی تا ۳ رجون ۲۰۲۱ء — ۱۵ تا ۲۱ رشوال ۱۴۴۲ھ
Year-34 Issue-22 28 May - 3 June 2021 Page 16

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر
دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم امیر الہند

حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصورپوریؒ کا
سانحۂ ارتحال

مضمون صفحہ ۳-۴ پر ملاحظہ فرمائیں

ملتِ اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس میں
مولانا محمود مدنی جمعیۃ علماء ہند کے عارضی صدر منتخب

فلسطین اور مسجد اقصیٰ سے متعلق ایک اہم تجویز میں مجلس عاملہ نے اسرائیلی جارحیت اور توسیع پسندانہ عزائم کو دہشت گردی کا عمل قرار دیا اور کہا کہ اوسلو معاہدہ کے مطابق القدس شہر کا کنٹرول فلسطینیوں کے حوالے کیا جائے اور غزہ میں وسیع پیمانے پر تباہی کا مقدمہ چلایا جائے، نیز اس کی بازآبادکاری کا معاوضہ اسرائیل سے وصول کیا جائے، اجلاس میں سابق صدر جمعیۃ علماء ہند امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری نوراللہ مرقدہ کو خراج تحسین پیش کیا گیا

نئی دہلی ۲۷ رمئی ۲۰۲۱ء: جمعیۃ علماء ہند کی قومی مجلس عاملہ کا اہم اجلاس اس کے صدر دفتر نئی دہلی میں واقع مدنی ہال میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کشمیری رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے زیر صدارت شروع ہوا، اجلاس میں سابقہ کارروائی کی خواندگی اور امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری نوراللہ مرقدہ کے وصال پر تجویز تعزیت اور ایصال ثواب کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کی خالی جگہ کو پر کرنے پر غور وخوض ہوا۔ چنانچہ تمام ارکان کے اتفاق سے مولانا محمود مدنی کو جمعیۃ علماء ہند کا عارضی صدر منتخب کیا گیا، جس کا اعلان صدر اجلاس مولانا رحمت اللہ کشمیری نے کیا۔ اس کے بعد آگے کی کارروائی نو منتخب صدر کے زیر صدارت مکمل ہوئی۔ مولانا مدنی کے صدر منتخب ہونے کی وجہ سے چونکہ ناظم عمومی کا منصب خالی ہوگیا، اس لیے ناظم عمومی کے لیے عارضی طور پر مولانا حکیم الدین قاسمی کا نام طے کیا گیا۔ مجلس عاملہ میں جمعیۃ علماء ہند کے ضلعی وصوبائی انتخابات کے لیے جاری سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیا گیا اور ملک کے مختلف حصوں میں درپیش لاک ڈاؤن کی وجہ سے اس کام کے لیے مزید تین ماہ کی توسیع کردی گئی۔ مجلس عاملہ نے دونوں جمعیتوں کے انضمام سے متعلق اپنے عزم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سابقہ موقف کی توثیق کی۔

مجلس عاملہ نے اس کے علاوہ مسئلہ فلسطین اور مسجد اقصیٰ کی موجودہ صورت پر ایک اہم تجویز میں کہا کہ ”جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس ظالم اور دہشت گرد اسرائیلی فوج کے ذریعہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں نمازیوں پر حملہ اور اس کی حرمت کی پامالی کی شدید الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔ حال میں اسرائیل نے جس طرح مسجد اقصیٰ کی توہین کی ہے اور اس کے بعد غزہ میں فضائی حملہ کر کے دو سو سے زائد لوگوں کا قتل کیا ہے جن میں ۷۰ بچے اور خواتین شامل ہیں، اس سے پوری دنیا کے مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ میں حکومت ہند نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ قابل اطمینان ہے، موجودہ حالات میں جمعیۃ علما ہند یہ مطالبہ کرتی ہے (۱) غزہ میں بھیانک جنگی جرائم کے ارتکاب پر اسرائیل پر بین الاقوامی جنگی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے۔ مسجد اقصیٰ کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے، بیت المقدس سے اسرائیل اپنا غاصبانہ قبضہ فوراً ہٹائے اور اوسلو معاہدہ کے مطابق القدس شہر کا کنٹرول فلسطینیوں کے حوالے کیا جائے (۲) عالمی برادری ایک خودمختار آزاد فلسطینی ریاست کو فوری طور پر قائم کرنے میں تعاون کریں، پناہ گزیں فلسطینی عوام کی بازآبادکاری اور وطن واپسی کے لیے راہ ہموار کی جائے، عرب مقبوضہ علاقوں کو اسرائیل خالی کردے۔ (۳) اسرائیل کو مشرقی یروشلم میں کسی طرح کی تعمیر نو سے باز رکھا جائے، یہ قدم بین الاقوامی معاہدوں کی شدید خلاف ورزی ہے۔ (۴) غزہ میں جس وسیع پیمانے پر رہائشی مکانات کو مسمار کیا ہے، ان کی تعمیر و بازآبادکاری کے لیے اسرائیل سے مطالبہ اولین ضرورت اور انصاف کا تقاضہ ہے (۵) جنگ بندی کے اعلان کے برخلاف اسرائیل مستقل مسجد اقصیٰ اور متصل علاقوں میں بے قصور فلسطینی شہریوں پر ظلم وتشدد کی کارروائی کررہا ہے، اسے اس ظالمانہ عمل سے باز رکھنے کے لیے ہر ممکن اقدام کیا جائے۔“

اجلاس میں جمعیۃ علماء ہند کے سابق صدر مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری نوراللہ مرقدہ پر ایک تجویز تعزیت منظور کی گئی، تجویز میں خاص طور سے کہا گیا ”کہ آپ کا دور صدارت (مارچ ۲۰۰۸ تا مئی ۲۰۲۱ء) جمعیۃ علماء ہند کی تاریخ کے روشن باب کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس دور میں جمعیۃ علماء ہند نے مختلف شعبہ ہائے حیات میں کارہائے نمایاں انجام دیے، جن کا اعتراف بجا طور پر سارے عالم میں کیا گیا، اس روشن باب کی ایک بڑی خاصیت یہ ہے کہ ہمارے محبوب صدر اپنے اخلاف کے لیے ایسی مثال اور نمونہ عمل چھوڑ گئے ہیں جس کو مضبوطی سے پکڑ کر ہی عمل کرنے میں جمعیۃ علماء ہند کی اصل طاقت کا راز پنہاں ہے۔ آپ کی شخصیت صحیح معنوں میں ”یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم“ کا آئینہ تھی۔ حضرت فدائے ملتؒ کے بعد جمعیۃ جن صبر آزما حالات سے دوچار ہوئی، ان حالات میں جادۂ استقامت پر برقرار رہنا اور جمعیۃ کے دستور کو ہر حال میں مقدم رکھنا حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوری نوراللہ مرقدہ کی عظمت اور کامیابی کا سب سے اہم پہلو ہے۔ بالفاظ دیگر جماعت اور ملت کا مفاد اپنی ذات پر مقدم رکھنا آپ کی زندگی کا اہم درس ہے اور ہم سبھی کارکنان وعہدہ داران جمعیۃ کے لیے آئندہ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہی نہ صرف حضرت مولانا مرحوم کے لیے بلکہ ہمارے سبھی اسلاف کے لیے اصلی خراج عقیدت ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس اپنے جامع صفات صدر سابق کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے دست بدعا ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت کے اہل خاندان، اولاد، رفقاء، بزرگان تلامذہ اور متوسلین کو صبر واستقامت کے ساتھ اس غم کو برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور انبیاء وصدیقین کا رفیق بنائیں (آمین)“

حضرت امیر الہند کے علاوہ حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق خاں صاحب، حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی، مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا نظام الدین اسیرادروی، مولانا نور عالم خلیل امینی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا محمود قاسم میرٹھی، مولانا ابوبکر رانچی، مولانا شبیر احمد راجستھان، مولانا محمد ابراہیم جونا گڑھ، محمود الظفر رحمانی، قاری رضوان نائب ناظم مدرسہ مظاہر علوم، حافظ عبدالکبیر بنارس، قاری معین الدین، حسن احمد قادری پٹنہ، اہلیہ پروفیسر نثار احمد انصاری گجرات اور اہلیہ مولانا محمد امین پالن پوری، مولانا عبدالجبار بھاگلپوری، اہلیہ مفتی شبیر احمد مرادآباد، اسلم بھائی دیواس، مرزا شبیر بیگ، مفتی اعجاز ارشد، مولانا عبدالمومن سنبھل، بھائی معراج مظفرنگر، شہاب الدین سیوان، حاجی میاں فیاض الدین دہلی، اہلیہ عبدالرزاق دھمر کہ، مولانا عبدالقیوم پالن پور، حاجی یونس، مولانا عبدالرشید استاذ دارالعلوم، محمد صادق برادر خورد مفتی احمد دیولہ، مولانا رفیق گاڑی گاؤں آسام، انورہ تیمور سابق وزیر اعلیٰ آسام، مولانا انوری علی ہیلاکنڈی، مولانا عبدالباقی مدراس، سمیت متعدد شخصیات کی وفات پر ایصال ثواب اور اظہار تعزیت کیا گیا۔

اجلاس میں نومنتخب صدر جمعیۃ علماء ہند اور ناظم عمومی کے علاوہ بطور رکن مولانا رحمت اللہ کشمیری، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی، مولانا شوکت علی ویٹ، مفتی محمد جاوید اقبال قاسمی، مولانا نیاز احمد فاروقی شریک ہوئے، جب کہ بذریعہ زوم مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا ندیم احمد صدیقی، مولانا پیر شبیر احمد، مولانا مفتی افتخار احمد، مولانا بدرالدین اجمل، مولانا محمد رفیق مظاہری، مولانا سراج الدین ندوی اجمیر اور مدعو خصوصی کے طور پر مولانا محمد سلمان بجنوری استاذ دارالعلوم دیوبند، مفتی عبدالرحمٰن نوگاواں سادات، مفتی احمد دیولہ، حاجی محمد ہارون، مولانا علی حسن مظاہری، مولانا عبدالقدوس پالن پور، مولانا محمد عاقل گڑھی دولت، ڈاکٹر سعیدالدین نانگلوئی اور بذریعہ زوم مفتی محمد عفان منصورپوری، قاری محمد امین، ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی، مفتی حبیب الرحمٰن الہ آباد، مولانا غلام قادر پونچھ، مولانا محمد الیاس مفتاحی پہلی مزرعہ، قاری محمد ایوب ممبئی، مولانا محمد یحییٰ آسام شریک ہوئے۔

فلسطین

پاسبانِ حرمِ قدس کے قابلِ مبارکباد حوصلے
مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی

تحریر: مولانا نثار احمد حصیر القاسمی

مسلمانوں کے قبلہ اول بیت المقدس کی تائید وحمایت میں اس وقت ساری دنیا میں آوازیں بلند ہورہی ہیں، لوگ سڑکوں پر نکل کر صہیونی اسرائیلی ظلم وبربریت وسفاکی، درندگی اور دہشت گردی وکھلی جارحیت کیخلاف صدائے احتجاج بلند کررہے ہیں، بیت المقدس وپورے فلسطین کے مسلم باشندوں کے بارے میں دنیا کے مسلمان خوف وگھبراہٹ میں مبتلا اور اللہ سے ان کی نصرت وغیبی مدد کی دعائیں کر رہے ہیں۔ ہر مسلمان کا دل اس وقت پارہ پارہ ہوجاتا اور اپنے ضمیر فروش حکمرانوں کی خیانت ومردہ ضمیری پر افسوس ہوتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ ناپاک ونجس یہودی وصہیونی اپنے جوتوں سے مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کررہے ہیں، آج غزہ پٹی اور بیت المقدس میں جو مظالم ڈھائے جارہے اور جنگی جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے ملکی دہشت گردی کا بازار گرم کیا گیا ہے، اس سے دنیا کا ہر کلمہ گو شخص رنجیدہ وآرزدہ ہے۔ سینگال کے صدر نے ملک کے باشندوں کے جم غفیر کو مخاطب کرتے ہوئے اور ترک صدر رجب طیب اردگان نے بجا کہا ہے کہ بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور فلسطین ساری دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ یہ صرف فلسطینیوں اور عربوں کا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اور ہمارے پیغمبر آخر الزماں ساری دنیا کے لئے آخری نبی ورسول ہیں، اس لئے مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، جہاں کہیں بھی مسلمان ہے، وہ اس وقت فلسطینی مسلمانوں پر یہودی وصہیونی طاقتوں کے ڈھائے جارہے مظالم نہتے عوام پر برسائے جارہے میزائل، عورتوں اور بچوں پر کی جارہی خوفناک وخطرناک بمباری اور بین الاقوامی قوانین کی رو سے ممنوعہ ہتھیاروں اور زہریلے مواد وکیمیکل کا ان کے خلاف استعمال پر کرب وبے چینی میں مبتلا ہے۔

اس وقت غزہ پٹی پر زبردست حملے ہورہے، خطرناک بمباری ہورہی، بیت المقدس اور دوسرے فلسطینی علاقوں میں دہشت گرد اسرائیل کی جانب سے حقوق انسانی کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں، بوڑھوں، بچوں اور عورتون اور بیماروں کو نشانہ بنایا جارہا، اسلامی مقدسات کی بے حرمتی کی جارہی اور کھلے عام جنگی جرائم کا ارتکاب کیا جارہا ہے، کہ یہی اگر کسی مسلم ملک کی جانب سے ہوتا تو ساری دنیا آسمان سر پر اٹھالیتی اور بین الاقوامی قوانین میں اس کی جو سزا ہے اس کی تنفیذ پر یہ ادارے متحرک ہوجاتے اور اسے سزا دینے میں نہ لیت ولعل کرتے اور نہ ذرہ برابر دیر کرتے، مگر یہاں تو بین الاقوامی ضمیر مردہ ہوچکا ہے، اور سب کی نگاہوں کے سامنے ایک بزدل قوم اسرائیل جنگی جرائم کا ارتکاب مسلسل کرتا چلا آرہا ہے، مگر اس کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آتا اور نہ اس کی کبھی کوئی گرفت ہوتی ہے جس سے اس کے حوصلے اور بھی بڑھ رہے ہیں۔

اس وقت دنیا کے مسلمانوں کے غیض وغضب کی لہر کو کم کرنے کے لئے ہی صحیح مگر خود مغربی ملکوں کی حقوق انسانی کی تنظیمیں اسرائیلی وصہیونی دہشت گردی وغنڈہ گردی کیخلاف حرکت میں آئی ہے، ذرائع ابلاغ میں جب سے اس کے جنگی جرائم

سب جانتا ہے کہ صہیونی اور یہودی قوم دنیا کی سب سے بزدل قوم ہے، مد مقابل کمزور اور لاغر ہو تب تو وہ ڈینگیں مارتا اور بڑی بڑی باتیں کرتا اور جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتا ہے، لیکن اگر مد مقابل کے اندر تھوڑی بھی طاقت ہو اور وہ پلٹ کر وار کرسکتا اور دو چار تھپڑ رسید کرسکتا ہو تو اس کی بزدلی کھل جاتی اور وہ بھیگی بلی بن کر اپنے آقاؤں کی خوشامد میں لگ جاتا ہے۔

کے ارتکاب اور حقوق انسانی کی پامالی کے شواہد گشت کررہے ہیں، جو زمینی حقائق سے بہت کم ہیں، تو صہیونیوں کے جرم کی ہر طرف سے مذمت کی جارہی ہے، سوائے ان حکومتوں کے جو اس کی سرپرستی کرتی یا وہ مسلم حکمراں جنہوں نے اپنے دین وایمان، عزت وآبرو اور ضمیر واحساس کو بیچ کر یہود کی غلامی وتابعداری خرید لی ہے، اور اس کے ساتھ دوستی کے معاہدے طے کررہے ہیں۔ مظلوم فلسطینی بھائیوں پر ڈھائے جارہے مظالم اور ان پر کی جارہی بمباری اور ان سے سلب کئے جارہے جینے کے حق کو دیکھ اور سن کر ساری دنیا کے مسلمانوں کا دل چھلنی ہورہا ہے، ہاں اس پر اگر کسی کو افسوس نہیں اور پیشانی پر شکن نہیں تو وہ عرب حکمراں ہیں، جنہوں نے ضمیر فروشی کی انتہا کردی اور یہود کی غلامی کے ایسے طوق وسلاسل اپنی گردن میں ڈال چکے ہیں کہ اس سے باہر آنا ان کے لئے ممکن نہیں۔

جی ہاں یہ حقیقت ہے کہ بہت سے عرب حکمرانوں کو فلسطینیوں کے اس قتل عام پر ذرہ برابر افسوس نہیں، اسلامی مقدسات کی بے حرمتی اور بین الاقوامی قوانین کی کھلی خلاف ورزیوں پر ان کے دل نہ مجروح ہورہے اور نہ اس میں تپش پیدا ہورہی ہے، ہاں انہیں اس پر الجھن اور ناراضگی ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے انہیں مطعون کیوں کیا جارہا، ان کے بارے میں ضمیر فروش، بے ایمان، غدار، ننگ دین وایمان یہود ونصاریٰ کے غلام جیسے القاب سے کیوں نوازا جارہا ہے، انہیں دکھ اس بات پر ہے کہ صیہونی دہشت گردی اور اسرائیلی غنڈہ گردی کیخلاف جہاد کی آواز کیوں بلند کی جارہی، طاقتوں کا جواب طاقت سے دینے کی بات کیوں ہورہی اور اس کی بمباریوں وقتل عام اور اپنے گھربار اور وطن سے بے دخل کرنے کی اسرائیلی کاروائیوں کیخلاف لہو کا نذرانہ پیش کرنے کی صدا کیوں بلند کی جارہی ہے، ان کا کہنا ہے کہ اسرائیل سے جہاد کرنے کی اپیل اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے کہ اس وقت مسلمان اور فلسطینی اسرائیل کے مقابلہ میں نہایت کمزور ولاچار وبے بس ہیں، ان کے پاس لڑنے کی نہ صلاحیت ہے اور نہ ہتھیار وآلات، ان حکمرانوں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کیخلاف جہاد کا مطلب اس وقت صرف یہ ہیکہ ساری دنیا میں مسلمان دوسروں کے ساتھ مل کر احتجاجی مارچ کریں، یہودیوں کے مظالم کی مذمت کریں، اپنے اپنے حکمرانوں کو میمورنڈم پیش کریں، بین الاقوامی تنظیموں سے اسرائیل کی مذمت پر مبنی بیانات جاری کروانے کی کوشش کریں اور بین الاقوامی سطح پر اسرائیل کو الجھن وپریشانی اور ذہنی کوفت میں مبتلا کریں، مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے لئے فلسطینی باشندے انسانی زنجیر بنائیں، مسجد میں رات گذاریں اور قابض اسرائیلی طاقت کو اس میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کریں، یہی جہاد ہے، مگر اسے کیا خبر کہ کسی بیوہ کی پکار جس نے اپنے شوہر اور جوان بچوں کو جام شہادت نوش کرتے ہوئے دیکھا ہو، اور اس کی درد بھری اللہ اکبر کی صدائیں یا کسی ضعیف وناتواں بوڑھے شخص کی تڑپا دینے والی آواز جس نے سہارا دینے والے اولاد کو اسرائیلی جارحیت کے خلاف کھودیا ہو کسی مسلم حکمراں کے دل کو تڑپادے اور اللہ اسے اپنے دین کی (باقی ص ۱۴ پر)

سعودی عرب: اس سال ساٹھ ہزار عازمین حج ادا کرسکیں گے

سعودی عرب نے ۲۰۲۱ء کے حج کے لیے کورونا وبا کے پیش نظر احتیاطی تدابیر اور شرائط کا اعلان کردیا ہے، جس کے تحت اٹھارہ سال سے زائد عمر کے ساٹھ ہزار ملکی اور غیر ملکی عازمین حج کی سعادت حاصل کرسکیں گے۔ سعودی وزارت صحت کی جانب سے نو صفحات پر مشتمل دستاویز جاری کی گئی ہے جن میں حج کے حوالے سے مختلف شرائط کا ذکر کیا گیا ہے جسے حرمین شریفین سے منسلک آفیشل ٹویٹر اکاؤنٹ پر سلسلہ وار ٹوئٹس شیئر کیا گیا ہے۔ مذکورہ نکات کے مطابق عازمین حج کا صحتمند ہونا ضروری ہے اور انھیں حج کا سفر کرنے سے چھ ماہ قبل تک کسی بیماری کی وجہ سے اسپتال میں داخل نہ ہونا پڑا ہو جبکہ اس بات کا ثبوت دینا بھی لازمی ہے۔ اس کے علاوہ عازمین حج کے لیے ویکسین کی دونوں خوراکیں لگوانا اور بطور ثبوت اپنے ملک کی وزارتِ صحت یا حکام سے جاری کردہ ویکسی نیشن کارڈ فراہم کرنا ضروری ہوگا۔ حج پالیسی میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعودی مملکت کی وزارتِ صحت کی جانب سے منظور کردہ ویکسین کی فہرست میں شامل ویکسین ہی لگوانا لازم ہے۔ خیال رہے کہ سعودی حکومت نے مملکت آنے والے مسافروں کے لیے صرف فائزر، ایسٹرازینیکا، موڈرنا اور جانسن اینڈ جانسن ویکسین کی منظوری دی ہے، ساتھ ہی یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ عازمین کو دو خوراکوں والی ویکسین کی پہلی خوراک یکم شوال اور دوسری خوراک سعودی عرب پہنچنے سے چودہ روز پہلے لگ چکی ہو۔ اس کے باوجود غیر ملکی عازمین کو سعودی عرب پہنچنے کے بعد تین روز کے لیے قرنطیہ کرنا ہوگا جبکہ سماجی فاصلہ رکھنے، ماسک پہننے سمیت دیگر احتیاطی تدابیر اپنانے کی شرط عازمین کے تحفظ کے لیے برقرار رہے گی۔ عازمین کے لیے لازمی ہوگا کہ حج کے مقامات پر پہنچنے کے بعد ان کے پاس اپنی صحت کی صورتحال سے متعلق تمام ضروری دستاویزات بشمول ویکسی نیشن کارز، سرٹیفکیٹ مکمل حالت میں موجود ہوں۔ اس کے علاوہ عازمین کو کووڈ-۱۹ سے متعلق احتیاطی اقدامات کے طور پر روٹول اسکریننگ سے بھی گزرنا ہوگا۔ عازمین کو سوشل میڈیا، ٹور ایجنسیز اور ایس ایم ایس کے ذریعے معلومات فراہمی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ سفر کے لیے مختص مقامات کا انتظام کیا جائے گا جہاں ہر گروپ کو احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے اکٹھا ہونا ہوگا جبکہ ہر گروپ کے لیے ایک علاحدہ بس مختص کی جائے گی اور سفر کے دوران عازمین کو کھڑے ہونے کی اجازت نہیں ہوگی، ساتھ ہی تمام عازمین کے سفری بیگوں کو جراثیم سے پاک بنایا جائے گا جبکہ گزشتہ برس کی طرح اس برس بھی عازمین کو جراثیم سے پاک کنکریاں رمی کے لیے دی جائیں گی۔ مسجد الحرام کی جاری ہدایات کے مطابق عازمین کو کھانے پینے کی اشیا مسجد میں لانے کی اجازت نہیں ہوگی اور ہر فرد کے درمیان دو میٹر کا فاصلہ رکھنے کے لیے اسٹیکرز چسپاں کیے جائیں گے تاہم اگر کسی عازم کے جسم کا درجہ حرارت زیادہ ہو یا وہ مشتبہ حالت میں پایا گیا تو اسے وزارتِ صحت کے ماہرین کے پاس بھجوادیا جائے گا۔

خیال رہے کہ کورونا وائرس کی وبا کے باعث سعودی حکومت نے گزشتہ برس حج کو محدود رکھا تھا اور اس میں صرف دس ہزار عازمین ہی شریک ہوئے تھے جو مملکت میں مقیم تھے۔ رواں برس سعودی حکومت نے حج کے لیے ویکسی نیشن کی شرط رکھنے کے ساتھ مخصوص ویکسین کی منظوری دی ہے تاہم اس میں چینی ویکسین شامل نہیں جو پاکستانیوں کی بڑی تعداد نے لگوائی ہے۔ لہٰذا حکومت پاکستان نے سعودی حکومت سے درخواست کی ہے کہ عازمین حج کیلئے چینی ویکسین کی بھی منظوری دی جائے۔ ◻◻

دریچۂ پاکستان — سلیم صافی

سونامی لہروں کی نذر ہوتا پاکستان

میدانِ صحافت وسیاست میں جاری لایعنی مکالمے اور مباحثے دیکھتا ہوں تو ماضی کا وہ بغداد یاد آجاتا ہے جس کے دروازے پر تاتاری دستک دے رہے تھے لیکن وہاں کے صاحبانِ اختیار اور اہلِ دانش غیر ضروری مناظروں میں مصروف تھے۔ فلاں وزیر ہو، فلاں نہ ہو، فلاں غدار، فلاں محبِّ وطن، زرداری کی ڈیل ہوگئی، نون لیگ کی ڈیل ہوگی یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب فضولیات ہیں۔ یہ سب اس ملک کو یہاں تک پہنچانے میں کوئی نہ کوئی کردار ادا کرچکی ہیں اور کررہی ہیں لیکن اصل مسائل اور چیلنجز اور تباہیاں کچھ اور ہیں، جن کا سیاست اور صحافت کے میدانوں میں ذکر ہی نہیں ہورہا۔

اس وقت ملک کا سب سے بڑا مسئلہ معیشت ہے۔ ایسی اقتصادی بدحالی اور تباہی کم ازکم میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ یہ اس ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا کہ معاشی انڈیکیٹرز میں پاکستان، افغانستان سے بھی نیچے چلا گیا اور تاریخ میں ہم یہ پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہیں کہ کسی حکومت کا اپنا وزیر خزانہ کہہ رہا ہے کہ ہمارے دور معیشت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے۔ شوکت ترین کہہ رہے ہیں کہ ان کی حکومت کا اگلے دو سال کے لئے ٹارگٹ یہ ہے کہ کسی طریقے سے جی ڈی پی گروتھ پرانے پاکستان کی شرح یعنی پانچ فیصد پر لے جائیں لیکن المیہ یہ ہے کہ ایسا پھر بھی ممکن نہیں کیونکہ اسد عمر، حفیظ شیخ اور نیب وغیرہ نے معیشت کا جس طرح بیڑہ غرق کردیا ہے، اس کے بعد پچاس شوکت ترین مل کر بھی اگلے دو برسوں میں پاکستان کو معاشی میدان میں ۲۰۱۸ء کی حالت پر واپس نہیں لاسکتے۔

سونامی سرکار کے دور میں ایک اور بڑی تباہی سفارتی محاذ پر ہوئی۔ آصف زرداری اور جنرل کیانی کے دور میں ایک شعوری سفر پاکستان نے شروع کیا تھا کہ اسٹریٹیجک، دفاعی اور معاشی حوالوں سے اپنا رخ امریکہ کی بجائے چین اور روس کی طرف موڑنا ہے۔ نواز شریف کے دور میں یہ سفر تیز تر ہوا۔ موجودہ حکومت نے امریکہ کی خاطر یا پھر نواز شریف کی نفرت میں چین کے اعتماد کو شدید ٹھیس پہنچائی۔ سی پیک کو پشاور بی آر ٹی میں بدل دیا۔ ادھر سونامی سرکار پہلے سعودی عرب پھر ترکی وایران اور اب پھر سعودی عرب کی طرف جانے کے لئے جو چھلانگیں لگاتی رہی، اس کی وجہ سے ان ممالک میں بھی اس وقت پاکستان کی نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے، والی کیفیت ہے۔ ایک اور حماقت ٹرمپ اور مودی کے ارادوں کے غلط اندازے لگا کر کی گئی۔ انڈیا نے دھوکہ دے کر کشمیر کی حیثیت بدل دی بلکہ ہڑپ کرلیا لیکن امریکہ نے ہمارا ساتھ دیا اور نہ عرب ممالک نے۔ دوسری طرف پاکستان اقتصادی حوالوں سے اس حالت پر آگیا ہے کہ مزید اگر انڈیا کی وجہ سے اسی طرح دوست ممالک سے ناراض ہوتا رہا، تو خود اس کا وجود خطرے میں پڑجاتا ہے۔

ایک اور تباہی جو آتی نظر آرہی ہے، وہ افغانستان کی طرف سے ہے۔ مختصر یہ کہ اس وقت صرف پندرہ بیس فیصد امکان ہے کہ افغانستان میں کوئی ڈیل ہوجائے لیکن اسی پچاسی فیصد خطرہ وہاں جنگ اور تباہی کا ہے جو پاکستان کے لئے بھی تباہی ہے۔ ایک طرف اس تباہی کے اثرات پاکستان پر پڑیں گے تو دوسری طرف افغان الزام لگائیں گے کہ ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ پاکستان کی وجہ سے ہوا۔ تیسری طرف امریکہ اور نیٹو اپنی ناکامی اور افغانستان کو تباہی کے سپرد کرنے کے لئے پاکستان کو قربانی کا بکرا بنا کر یہ عذر پیش کریں گے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ پاکستان نے طالبان کو شہہ دی۔ ایک اور سنگین ترین چیلنج مذہبی انتہاپسندی کا ہے۔ پاکستان ابھی انتہاپسندوں، طالبان اور القاعدہ سے پوری طرح نہیں نمٹا اور افغانستان کے حالات کی وجہ سے پاکستان کے اندر بھی ان کی دوبارہ تقویت کا قوی امکان ہے لیکن سونامی برپا کرنے اور پھر سونامی سرکار کی بقا کے لئے جس طرح ناموس رسالت کے حساس ترین ایشو کو بے حسی کے ساتھ ڈیل کیا گیا، اس کی وجہ سے پاکستان میں بریلوی مکتب فکر کے بعض حلقے بھی انتہاپسندی کی طرف جانے لگے ہیں اور دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ خطرہ طالبان اور القاعدہ سے کئی گنا زیادہ سنگین ہے۔

سب سے بڑا چیلنج اور تباہی کا موجب یہ ہے کہ یہ تباہیاں اس نظام کے ہاتھوں ہوئیں، جسے برپا کرنے کے لئے مذہبی، سیاسی اور قوم پرست ہر طرح کی جماعتوں کو رسوا اور ناراض کرنے کی قیمت ادا کی گئی۔ اس سونامی کی خاطر عدلیہ اور میڈیا کو رسوا اور تباہ کیا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی کی خاطر قومی سلامتی کے اداروں کو متنازع بنایا گیا۔ اب جن چیلنجز اور تباہیوں کا سامنا ہے، ان میں پاکستان کو بچانے کا واحد راستہ وسیع تر قومی ہم آہنگی اور ایک ایسے نظام کی تشکیل ہے کہ جس میں نفرتوں اور تعصّبات کا خاتمہ ہو اور ہر فرد اور ادارہ اپنے دائرہ اختیار میں رہ کر اپنی اصل ذمہ داری کی طرف واپس لوٹ جائے لیکن بدقسمتی سے سونامی سرکار اسے اپنے لئے موت سمجھتی ہے۔ المیہ یہ ہے کہ اس سرکار کے سرخیل جس طرح باقی ہر معاملے میں ناکام اور نااہل ہیں، اتنے ہی وہ مفاہمت کی ہر کوشش کو سبوتاژ کرنے میں کمال کی حد تک چانکیہ اور میکاولی کی طرح ماہر ہیں۔ چنانچہ جب بھی قومی اداروں کی طرف سے دیوار سے لگائے گئے سیاسی عناصر کے ساتھ مفاہمت کی کوئی کوشش کی جاتی ہے تو وہ اس سارے عمل کو سبوتاژ کردیتے ہیں اور اب تو نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ اس بنیاد پر خود ان سے بھی سینگ اڑانے کی تیاری کررہے ہیں۔ ملک کے حالات مفاہمت کا تقاضا کررہے ہیں لیکن ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص، جس کی سوچ ذات سے شروع اور ذات پر ختم ہوتی ہے، اسے اپنی سیاسی موت کا پروانہ سمجھتا ہے۔ پاکستان (خاکم بدہن) سونامی کی لہروں کی نذر ہوکر ڈوبتا جارہا ہے جبکہ ہر ادارہ اور ہر اہم فرد اپنی اپنی جگہ پھنس کر حرکت کرنے سے قاصر ہے۔ یا اللہ تو ہی اس ملک کی حفاظت فرما، آمین!

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

امیر الہند حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصور پوریؒ کا سانحۂ ارتحال

ملت اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ

موت برحق ہے اور یقینی بھی، اس کا وقت بھی متعین ہے اور سبب بھی۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ ہم کو ان سب سے بے خبر رکھا گیا ہے۔ کورونا کے اس ہلاکت خیز دور میں گزشتہ ڈیڑھ سال کے دوران موت نے جس طرح امیر و غریب، عالم و جاہل، حاکم و محکوم اور ظالم و مظلوم کو ایک سطح پر لا کھڑا کیا ہے، اس کی مثال شاید ماضی قریب میں تو دستیاب نہیں ہے۔ گزشتہ ڈیڑھ سال سے اموات کا جو سلسلہ جاری ہے اور کووڈ-۱۹ جس طرح عوام و خواص کو اپنا شکار بنا رہا ہے اس نے ثابت کر دیا ہے کہ موت جتنی یقینی ہے اس کا وقت اتنا ہی غیر یقینی ہے۔ بلاشبہ اس دوران ہونے والی اموات ایک صدمۂ عظیم ہیں خواہ یہ صدمہ و غم صرف اہل خانہ تک محدود ہو، اہل خانہ کے ساتھ دیگر متعلقین تک جا پہنچا ہو یا پھر اس کا دائرہ دور دور تک ہزاروں لاکھوں مداحوں اور عقیدت مندوں تک پھیلا ہوا ہو اور جس کی کسک عالمی سطح پر محسوس کی جا رہی ہو بہر حال اسے ایک صدمۂ عظیم اور غم جہاں ہی کہا جائے گا۔

یہ ایک تلخ سچائی ہے کہ گزشتہ ڈیڑھ برسوں کے دوران لاکھوں عوام کے ساتھ ہزاروں ایسے خواص بھی ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ہیں جو اپنی علمی، عملی، دینی و مذہبی اور قومی و ملّی خصوصیات کی وجہ سے ممتاز حیثیت کی حامل رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا صدمہ جانکاہ ہے جس سے عہدہ برآ ہونا ناممکن نہ سہی بہر حال بے حد مشکل ضرور ہوگا۔ اموات کا یہ تواتر اس لیے بھی رگِ جاں کو پگھلا رہا ہے کہ کسی ایک ممتاز شخصیت کی رحلت کی خبر کے غم سے سنبھلا بھی نہیں جاتا کہ دوسری اہم شخصیت کی رحلت کی خبر صدمہ جانکاہ بن کر سامنے آ جاتی ہے، پھر کسی تیسرے مرد مومن کی موت کی خبر دل کو تڑپانے لگتی ہے اور پھر اسی دوران کوئی ایسی ہی چوتھی ماتمی خبر سامنے آ کر بچی کھچی صبر کی طاقت کو غم و اندوہ میں تبدیل کر ڈالتی ہے، اس طرح ممتاز و غیر ممتاز لوگوں کی اموات کا یہ تواتر یہ گمان پیدا کرنے لگتا ہے کہ شاید قدرتِ الٰہی کا منشا اس گلستاں کو ہر طرح کے لالہ و گل اور رنگ و بو سے محروم کر دینے کا ہے، اموات کے اس تواتر نے ہر سمت افسردگی اور اضطراب کی کیفیت پیدا کر دی ہے اور ہر وقت یہ خدشہ نظروں کے سامنے رقص کناں نظر آتا رہتا ہے کہ نہ جانے کب کہاں سے کسی اہم شخصیت کے وصال کی خبر آ جائے اور ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر کسی دوسری خبر کیلئے راستہ چھوڑ دے یہ اپنی نوعیت کا ایک عجیب تجربہ ہے جس سے آج ہم سب گزر رہے ہیں۔

موت برحق بھی ہے، اس کا وقت بھی متعین ہے مگر اس کے وقت کے علم کو غیر یقینی بنا دیا گیا ہے اس لیے ہر انسان موت کے یقینی ہونے کا تو ذکر کرتا ہے مگر اس کے غیر یقینی وقت کا ذکر نہیں کرتا اس لیے کہ موت کبھی اعلان کرتی ہوئی اور ماحول بناتی ہوئی آتی ہے اور کبھی اعلان کے بغیر اور بغیر ماحول بنائے اچانک آ نمودار ہوتی ہے اور آ کر اچانک اپنا حملہ بول دیتی ہے۔ لوگ حیران رہ جاتے ہیں اور اس کے اسباب پر غور کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی ایک سچائی ہے کہ آج تک غیر متعینہ مدت تک کوئی شخص، وہ ممتاز ہو یا غیر ممتاز، موت سے نہیں بچ سکا ہے مگر اس کے باوجود انسان اپنی موت سے غافل ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں جو بھی آیا ہے جانے کے لیے ہی آیا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ”آنا جانے کی تمہید ہوتا ہے“ پھر جانے والوں کے بھی اپنے مراتب و درجات ہوتے ہیں۔ کچھ جانے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا غم اہل خانہ تک محدود ہوتا ہے، کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے غم کا دائرہ وسیع ہو کر گھر، خاندان، گاؤں تک جا پہنچتا ہے، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ایک پورے علاقہ کو غم و اندوہ میں مبتلا کر جاتے ہیں اور کچھ اہل علم و باکمال شخصیات ایسی بھی ہوتی ہے جن کا وصال غم جہاں کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور ان کے لیے غم و اندوہ کی حدود مقرر کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ کورونا کے اس ڈیڑھ سالہ دور میں ایسی ہی عظیم ہستیاں ہزاروں کی تعداد میں ہمیں داغِ مفارقت دے گئیں جو اپنے علم و عمل، دینی، مذہبی، تعلیمی اور ملّی خدمات کے لحاظ سے ملک میں ممتاز مقام کی حامل تھیں۔ ان میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو عصری علوم سے تعلق رکھتے تھے، وہ حضرات بھی شامل ہیں جو دینی علوم کے ماہر اور تفقّہ فی الدین کی صفت سے متصف تھے اور وہ حضرات بھی شامل ہیں جو اپنی ملّی خدمات کے تعلق سے ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص مقام عطا فرمائے اور ان کی خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت سے نواز کر ان کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے آمین۔ انھیں مخصوص ممتاز اور موٴقر شخصیات میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر، امارتِ شرعیہ ہند کے امیر اور ازہر ہند دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذاتِ گرامی بھی ہے جو ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ صلوٰۃ الجمعہ کے وقت ایک بجکر پندرہ منٹ پر گڑگانوہ کے معروف اسپتال ’میدانتا‘ میں چند روزہ علالت کے بعد کورونا کا شکار بن کر پوری ملت کو غمگین و افسردہ چھوڑ کر اور شہادت کے مرتبہ پر فائز ہو کر اپنے پاک پروردگار کے خزانۂ غیب سے اپنی ساٹھ سالہ دینی، مذہبی، تعلیمی، رفاہی اور ملّی خدماتِ جلیلہ کا صلہ پانے کے لیے اپنے رب ذوالجلال کے حضور تشریف لے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی حسنات کو قبول فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں خصوصی مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو جن میں آل اولاد، اہل خانہ، متعلقین بلکہ پوری ملت اسلامیہ شامل ہے، صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

راقم الحروف کی آنکھوں کے سامنے ۶؍فروری ۲۰۰۶ء کا وہ منظر بار بار گھوم رہا ہے جب فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کا سانحۂ عظیم پیش آیا تھا، جس سے پورے عالم اسلام پر حزن و ملال اور غم و اندوہ کے بادل چھا گئے تھے۔ آپ کے وصال کی حسرتناک خبر سن کر ایسے لگ رہا تھا کہ گویا دلوں کی دھڑکن بند ہو گئی ہے، زبانیں گنگ ہیں، قلم کی سیاہی خشک ہو چکی ہے اور رفتارِ زمانہ رُک کر ماتم کناں ہے۔ آج تقریباً سولہ سال بعد جب آپ کے بعد جمعیۃ علماء ہند کی صدارت کے مسند نشین امیر الہند رابع، دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم اور مقبول ترین استاذ حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کے سانحۂ ارتحال کی خبر سامنے آئی قلب بعینہٖ ایسی ہی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ آپ کی رحلت کا حادثہ فاجعہ ایسا دردانگیز ہے کہ اس سے دل شکستگی کا احساس ہونے لگا ہے۔ زبان خاموش ہے اور قلم کی سیاہی کاغذ پر نقوش تحریر کرنے سے قاصر نظر آ رہی ہے۔ ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے ہم اپنے درد و الم کا اظہار کر سکیں۔ وقت حسب حال اپنی رفتار سے چل رہا تھا، کسی کو یہ احساس بھی نہیں تھا کہ حضرت والا ہمیں اچانک داغِ مفارقت دے جائیں گے اور ہمیں حیران و سرگرداں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اللہ پاک پروردگار کے فیصلے تو اٹل ہوتے ہیں اور بہر حال وہی ہوا جو نوشتۂ تقدیر تھا اور کاتب تقدیر نے روزِ ازل میں ہی لکھ دیا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ عام لوگوں کی طرح نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فکر سلیم سے نوازا تھا جس نے انھیں اپنے ہمعصروں پر فوقیت عطا کر دی تھی۔ ان کی نگاہ ہمیشہ مستقبل قریب کے ساتھ ساتھ مستقبل بعید پر بھی رہی۔ ان کی فراست نے انھیں ان اہم امور پر غور و فکر پر مجبور کر دیا تھا جن پر ان کے ہم عصر بہت بعد میں پہنچ پاتے تھے۔ ہمارے قاری صاحبؒ ان لوگوں میں بھی نہیں تھے جن کی پہچان بڑے بڑے کارناموں سے ہوا کرتی ہے، وہ انتہائی سادہ اور ہر طرح کی شہرت اور ناموری سے دور زندگی گزارنے کے خوگر تھے۔ غالباً آپ کا سب سے امتیازی وصف تواضع، انکساری اور بے نفسی ہی تھا، ان سے ملاقات کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہونے والا کوئی بھی شخص اس کی گواہی دے سکتا ہے کہ ملاقات کے لیے آنے والے کی وجہ آمد معلوم کرنے سے پہلے ان کا سب سے پہلا معمول بذاتِ خود و بدست خود آنے والے کی تواضع کرنا تھا۔ بڑوں کا اکرام اور چھوٹوں پر شفقت ان کا خاندانی وصف ہے جو آپ میں پورا پورا موجود تھا۔ راقم الحروف کا یہ ذاتی تجربہ ہے، ان کے دربار میں خادم و مخدوم اور ذمہ دار و ملازم کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ وہ اپنے گھر پر اپنے ملازم کے ساتھ بھی وہی برتاؤ فرماتے جو کسی آنے والے بڑے آدمی کے ساتھ فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب مرحوم و مغفور کو استغنا کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔ یہ وہی صفت ہے جس کی آج حلقہ علماء کو سخت ضرورت ہے۔ یہی وہ صفت ہے جو علماء کی زندگی کو عوام سے ممتاز کرتی ہے۔ علماء کے کام زیادہ تر حسبۃ للہ ہوں تاکہ دیکھنے والا دیکھے کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں۔ ان کے یہاں دولت معیار نہیں ہے۔ یاد رکھیے جب تک علمائے کرام میں یہ امتیاز پیدا نہیں ہوگا ان میں ایثار و اخلاص پیدا نہیں ہوگا۔ ان کی شخصیت قابل احترام اور موٴثر نہیں ہو سکتی۔ علماء کا وقار اسی وقت قائم ہوگا جب وہ خود نمونہ بن کر دِکھائیں گے۔ پھر عوام جب یہ دیکھیں گے کہ دولت ایسی چیز ہے کہ اس پر جان دے دی جائے مگر علمائے کرام ہیں کہ اسے ہاتھ سے چھونا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہمارے قاری صاحب مرحوم نے شاید اس بات کو بہت اچھی طرح سمجھ لیا تھا، اسی لیے انھوں نے ہمیشہ ہر موقع پر استغنا کی راہ اختیار کی اور خوب سرخرو ہوئے۔ ان کی ذات سے علم و علماء کا وقار قائم ہوا۔ پھر وہ لائق صد احترام قرار پائے اور ہر مجلس ان کے احترام کا مرکز بنتی چلی گئی، اس لیے کہ حقیقی احترام عملی نمونے، سیرت و اخلاق کی بلندی، زہد و استغنا، روحانیت اور اخلاقِ عالیہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

قاری صاحبؒ بڑی جامع شخصیت کے حامل تھے۔ رموزِ شریعت کے ساتھ اسرارِ سیاست کا بھی خوب ادراک تھا۔ صلاح و تقویٰ کے ساتھ اخلاقِ حسنہ عالیہ بھی ان کی حیاتِ مبارکہ کا اہم حصہ تھے۔ ان کی طبیعت میں عاجزی و انکساری کا عنصر بھی وافر مقدار میں موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردم خیز اور گوہر شناسی کا جوہر بھی عطا فرمایا تھا۔ وہ پتھر کو ہیرا بنا دینے کے فن سے واقف تھے۔ انھوں نے نہ جانے اپنی پچپن سالہ تدریسی و تربیتی زندگی میں کتنے سنگریزوں کو ہیرے بنا ڈالا جو آج کے تاریک اور علم و عمل سے بے نور دور میں اندھیروں میں اُجالا کیے ہوئے ہیں۔ قرآنی نکتہ آفرینی کی مہک، سیرتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عطر بیزی اور حب اصحاب نبیؐ کی خوشبو سے بھی آپ کے مشام قلب و ذہن مشک بار تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کو پروردگار عالم نے درسی و علمی استعداد، تفقہ فی الدین، عربی زبان و تحریر پر عظیم الشان قدرت کے ساتھ ساتھ انتظام و انصرام کی اعلیٰ صلاحیت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جامعہ قاسمیہ گیا، بہار سے کیا جہاں تقریباً پانچ سال آپ کا قیام رہا جو اس ادارہ کے منتظمین بالخصوص حضرت مولانا قاری فخر الدینؒ مہتمم جامعہ ہذا کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ آپ نے درس و تدریس کی ذمہ داریوں کے ساتھ جامعہ کے نظام کی اصلاح پر بھی خاص توجہ فرمائی اور یہ آپ کی انتظامی و تدریسی حذاقت کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک طویل عرصہ تک آپ کو تعلیمی و تنظیمی اصلاحات کی وجہ سے جامعہ قاسمیہ گیا بہار کا ایک ترقی یافتہ اور ہردلعزیز ادارہ بن کر دادِ تحسین وصول کرتا رہا۔ آج حالانکہ مرورِ زمانہ کے نتیجہ میں ترقی کی منازل میں کچھ سست رفتاری آ گئی ہے مگر آپ کی جدوجہد کے اثرات و نقوش تادم تحریر بھی صاف نظر آ رہے ہیں۔

جامعہ قاسمیہ کے بعد آپ نے جامع مسجد امروہہ کے جامعہ اسلامیہ کی مسند تدریس کو زینت بخشی۔ یہاں آپ کا قیام مسلسل گیارہ برس رہا، یہاں بھی آپ کی شبانہ روز کی تعلیمی، تدریسی اور انتظامی جدوجہد نے ادارے کی تعلیمی ترقی و انتظامی بہتری میں وہ چار چاند لگائے جس کے نقوش وہاں آج بھی صاف دِکھائی دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں آپ اربابِ دارالعلوم کی فرمائش پر دارالعلوم دیوبند تشریف لائے جہاں آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے خوب خوب فائدہ اُٹھایا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تحفظ ختم نبوت کا قیام عمل میں آیا۔ سب سے پہلے اس کی ذمہ داری بحیثیت ناظم آپ کے سپرد کی گئی جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔ آپ کی انتظامی صلاحیت کا ہی

(باقی صـ۴ پر)

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر، دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم امیر الہند حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصور پوریؒ کا سانحۂ ارتحال

ملتِ اسلامیہ کا ایک عظیم خسارہ

صفحہ ۳ کا بقیہ

کرشمہ ہے کہ آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ شبانہ روز کی جدوجہد کے ذریعہ نہ صرف ہندستان بلکہ عالمی سطح پر قادیانیت اور فرق باطلہ کے فروغ پر قدغن لگائی۔ آج پورے ملک میں ریاستی وضلعی اور مقامی سطح پر اس شعبہ کی شاخیں قائم ہیں اور فعال کردار ادا کررہی ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے آپ کو نیابت اہتمام کا اہم عہدہ تفویض کیا گیا جس پر آپ پہلی بار ۲۰۱۰ء تک فائز رہے۔ ۲۰۱۰ء میں بعض وجوہات کی وجہ سے آپ اس عہدے سے مستعفی ہوگئے مگر ۲۰۲۰ء میں ایک بار پھر آپ کو انتظامِ دارالعلوم دیوبند کے لیے ناگزیر تصور کرتے ہوئے معاون مہتمم کی حیثیت سے مسند اہتمام عطا کی گئی جس پر آپ تادم واپسیں متمکن رہے۔ اپنے دورنظامت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں انتظامی اصلاحات اور دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی، تدریسی اور انتظامی امور کو بہتر بنانے کے لیے جو اقدامات کیے آج دارالعلوم دیوبند کے چپہ چپہ پر اس کے نقوش صاف دِکھائی دے رہے ہیں اور پہلی ہی نظر میں دیکھنے والا آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ آپ کی انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف ہی تو تھا کہ مہتمم صاحب دارالعلوم کی عدم موجودگی میں اہتمام کی مکمل ذمہ داری تادم واپسیں بحیثیت قائم مقام مہتمم آپ کے سپرد رہی۔

آپ مارچ ۲۰۰۸ء سے تادم واپسیں جمعیۃ علماء ہند کے عہدۂ صدارت پر فائز رہے، پھر ۲۰۱۰ء میں امیر الہند ثالث حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ کو امیر الہند رابع منتخب کیا گیا جس کی ذمہ داریاں آپ نے تادم واپسیں پوری فرمائیں۔ امارت شرعیہ ہند کی امارت اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے آپ نے ملک وملت کی جس محنت، لگن، جدوجہد، اپنی خداداد فراست اور اپنی ذاتی تنظیمی و اصلاحی صلاحیتوں کے ذریعہ خدمات انجام دیں وہ ان دونوں اداروں کی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب ہے جس کی تابانی ایک طویل عرصہ تک رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی اور آنے والے لوگوں کو روشنی بخشتی رہے گی۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سے ہی جمعیۃ علماء ہند کی قومی وملّی خدمات میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے چلائی جانے والی ملک وملت بچاؤ تحریک میں بڑھ چڑھ کر پورے جوش و ولولہ کے ساتھ حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے اپنے تیرہ سالہ دورِ صدارت میں جہاں آپ نے ۲۰۱۶ء میں اجمیر شریف میں منعقد ہونے والے جمعیۃ علماء ہند کے ۳۳ویں اجلاسِ عام کی صدارت فرمائی اور قومی وملّی مسائل پر مشتمل خطبہ صدارت پیش فرمایا وہیں آپ نے اپنے دورِ صدارت میں برپا ہونے والی قومی، ملّی اور فرقہ وارانہ مسائل پر مشتمل تحریکوں کی نہ صرف رہنمائی فرمائی بلکہ اپنی تنظیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انھیں منظّم بھی فرمایا۔

قدرتِ الٰہی نے آپ کی فطرت میں تعلیم و تدریس کے ساتھ تربیت کی صفت بھی اپنے خزانۂ خاص سے ودیعت فرمائی تھی۔ ۱۹۶۶ء میں اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جامعہ قاسمیہ گیا سے کیا۔ یہاں آپ نے پانچ سال تعلیمی وتدریسی خدمات دیں۔ تعلیم کے ساتھ طلبہ کی تربیت بھی آپ کا خاص موضوع رہا۔ آپ کے اسباق میں تربیت کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ ہفتہ واری اور ماہانہ تربیتی پروگرام ہوتے جن سے طلباء اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مستفید ہوتے۔ ۱۹۷۱ء میں آپ نے جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے ذمہ دار حضرات کی فرمائش پر جامعہ میں قدم رنجہ فرمایا، یہاں آپ کا قیام گیارہ سال رہا۔ یہاں بھی طلباء کی تربیت آپ کا خاص موضوع رہا، جہاں آپ کی تربیت کا انداز نرمی اور گرمی دونوں انداز پر مشتمل ہوتا جو بحمدللہ تعالیٰ یہاں طلباء عزیز کے لیے بے حد مفید ثابت ہوا۔ آپ کے اس گیارہ سالہ دورِ تدریس وتربیت میں بہت سے ایسے ہونہار بچے تیار ہوئے جو آج اپنے

حضرت قاری صاحبؒ عام لوگوں کی طرح نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فکر سلیم سے نوازا تھا جس نے انہیں اپنے ہمعصروں پر فوقیت عطا کردی تھی۔ ان کی نگاہ ہمیشہ مستقبل قریب کے ساتھ ساتھ مستقبل بعید پر بھی رہی۔ ان کی فراست نے انہیں ان اہم امور پر غور و فکر پر مجبور کردیا تھا جن پر ان کے ہم عصر بہت بعد میں پہنچ پاتے تھے۔ ہمارے قاری صاحبؒ ان لوگوں میں بھی نہیں تھے جن کی پہچان بڑے بڑے کارناموں سے ہوا کرتی ہے۔

اپنے مقام پر آپ کے نہج پر تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دینے میں کامیابی کے ساتھ مصروف ہیں اور مدارس کے انتظامیہ سے دادِ صلاحیت حاصل کررہے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں اربابِ دارالعلوم دیوبند نے آپ کی انھیں صلاحیتوں سے متاثر ہوکر آپ کو دارالعلوم میں تدریس و تربیت کے لیے مدعو کیا۔ اربابِ دارالعلوم کی دعوت پر آپ نے ۱۹۸۲ء میں تعلیمی، تدریسی اور تربیتی ذمہ داریوں کا آغاز فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند کی آپ کی تقریباً انتالیس سالہ تعلیمی وتربیتی خدمات اس بات کے لیے شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہیں کہ آپ نے پوری دیانت داری اور پورے قلبی اطمینان کے ساتھ طلباء کی تعلیم و تربیت کا وہ کام جو اربابِ انتظام نے پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ آپ کے سپرد کیا تھا، پورے طور پر انجام دیا اور ہر طبقہ خیال کے حضرات سے دادِ تحسین حاصل کی ہے۔ اپنی پوری تدریسی زندگی میں طالبانِ علومِ نبوت کے ساتھ ہمدردی، غمگساری اور فریادرسی آپ کا شیوہ رہی۔ اصول پسندی آپ کا طبعی وصف تھا۔ آپ کا دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اساتذہ میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کا درس حشو وزوائد سے ہمیشہ پاک رہتا تھا اور انتہائی سنجیدہ اور عالمانہ ہوتا تھا۔ متانت و سنجیدگی آپ کے طبعی اوصاف تھے۔ زبان صاف ستھری اور ترجمہ انتہائی سلیس اور شستہ ہوتا تھا۔ اس طرح آپ نے تقریباً پچپن سال تک بفضل خداوندی طلبائے علوم نبوت کی جس طرح تعلیمی، تدریسی وتربیتی آبیاری فرمائی وہ بلاشبہ آپ کی ایمانی حمیت، انتھک جدوجہد، بے پایاں خلوص اور بے پناہ جذبہ محبت کا ہی ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس سب کو آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے۔ آمین۔

آپ کی وفات حسرت آیات سے ایشیا کے تین عظیم الشان اداروں جمعیۃ علماء ہند، امارتِ شرعیہ ہند اور دارالعلوم دیوبند کو بالخصوص اور ملت اسلامیہ ہند کو بالعموم جو عظیم نقصان ہوا ہے بظاہر حالات اس کا پر ہونا مشکل نظر آرہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پورا ملک اور پوری ملت اسلامیہ ایسے عظیم مخلص اور سراپا ایثار رہنما سے محرومی پر غم و اندوہ میں ڈوبی ہوئی ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۲/اگست ۱۹۴۴ء کو منصور پور ضلع مظفر نگر کے ایک معزز زمیندار سادات گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد جناب نواب محمد عیسیٰ صاحب مرحوم بڑے متمول اور رئیس تھے۔ تمول کے ساتھ قدرت نے تقویٰ، صالحیت، شریعت کی پابندی اور خلافِ شرع امور سے نفرت کو آپ کی فطرت کا حصہ بنایا تھا۔ اولاد کو علم وعمل اور تقویٰ وطہارت کا خوگر بنانے کا جذبہ تھا جس کے لیے انھوں نے منصور پور سے ترکِ وطن کرکے دیوبند میں ہی عارضی سکونت اختیار کرلی تھی۔ آپ کا انتقال بھی ۱۹۶۳ء میں دیوبند میں ہی ہوا اور مزارِ قاسمی میں مدفون ہوئے۔ دیوبند میں قیام کے دوران انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دی اور یہ انھیں کی توجہ اور پرخلوص جذبہ کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فرزند سیّد محمد عثمان کو حسن و جمال کے ساتھ فضل وکمال، شرافت ونجابت اور تقویٰ وطہارت کے ساتھ علم وعمل کی دولت سے سرفراز فرما کر امیر الہند حضرت مولانا قاری سیّد محمد عثمان صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کے خصوصی امتیاز سے سرفراز فرمایا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وطن مالوف منصور پور میں ہی حاصل کی۔ حفظ کلام پاک خود والد محترم کے پاس کیا اور فارسی سے لے کر دورۂ حدیث شریف وتکمیلات کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۵ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور ہمیشہ کی طرح امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔ تجوید و قرأت کی تعلیم قاری حفظ الرحمٰن صاحب اور جناب قاری عتیق احمدؒ سے حاصل کی۔ حضرت مولانا وحید الزماں صاحبؒ سے عربی ادب میں کمال حاصل کیا۔ امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی قدس سرہٗ کی زیر تربیت سلوک کی منزلیں طے کیں اور اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔ شیخ الاسلامؒ کی صاحبزادی مسماۃ عمرانہ خاتون سے ۱۹۶۶ء میں عقد مسنون ہوا۔ دو ہونہار باسعادت صاحبزادے مفتی محمد سلمان صاحب اور مفتی محمد عفان صاحب اور ایک صاحبزادی ہیں۔ دونوں صاحبزادے علی الترتیب مدرسہ شاہی اور جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں تعلیمی و تدریسی باحسن وجوہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے اور حضرت قاری صاحب اور خود ان کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین!

حضرت قاری صاحب کو ہفت روزہ الجمعیۃ سے بھی خاص قلبی و ذہنی تعلق تھا۔ وہ اس کے مستقل قاری تھے اور ہر ہفتہ اس کا انتظار رہتا تھا۔ اس کے مشمولات میں اگر کچھ آپ کو پسند آتا تو فون کرکے اس کی تحسین فرماتے اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے۔ اس طرح قاری صاحب مرحوم عصر حاضر میں ایک مثالی اور قابل تقلید شخصیت تھے جس کی تشکیل میں حضرات اکابر بالخصوص ان کے والد مرحوم کی دعاؤں اور دارالعلوم دیوبند کے ان کے اساتذۂ کرام کی نیک دعاؤں کا بڑا دخل تھا۔

حضرت قاری صاحب کو ہفت روزہ الجمعیۃ سے بھی خاص قلبی و ذہنی تعلق تھا۔ وہ اس کے مستقل قاری تھے، اس کے مشمولات میں اگر کچھ آپ کو پسند آتا تو فون کرکے اس کی تحسین فرماتے اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرماتے۔ اس طرح قاری صاحب مرحوم عصر حاضر میں ایک مثالی اور قابل تقلید شخصیت تھے جس کی تشکیل میں حضرات اکابر بالخصوص ان کے والد مرحوم کی دعاؤں اور دارالعلوم دیوبند کے ان کے اساتذۂ کرام کی نیک دعاؤں کا بڑا دخل تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بہرحال حضرت قاری صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کا ایک ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ جمعیۃ علماء ہند جہاں ایک مدبر، متحرک العمل اور باوقار صدر سے محروم ہوگئی ہے وہیں امارتِ شرعیہ ہند ایک صاحب فراست امیر اور مجلس تحفظ ختم نبوت اور تحفظ عظمت صحابہ کے لیے اُٹھنے والی مضبوط آواز سے محروم ہوگئی ہے۔ قاری صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال دارالعلوم دیوبند کے لیے بھی ایک بڑا نقصان ہے۔ آپ کی وفات سے دارالعلوم دیوبند نے ایک مایۂ ناز استاذ ومربی، اعلیٰ منتظم اور طلبائے عزیز کے ہمدرد وغمگسار کو کھودیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ملّی وتعلیمی اداروں کو حضرت قاری صاحب مرحوم کا نعم البدل عنایت فرمائے اور ان اداروں کی آبیاری کے لیے حضرت مرحوم نے جو جدوجہد فرمائی ہے اسے قبول فرماکر آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت فرمائے، آمین۔ ☐☐

آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد سے ہی جمعیۃ علماء ہند کی قومی و ملّی خدمات میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔ آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے چلائی جانے والی ملک و ملت بچاؤ تحریک میں بڑھ چڑھ کر پورے جوش و ولولہ کیساتھ حصہ لیا اور قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے اپنے تیرہ سالہ دورِ صدارت میں جہاں آپ نے ۲۰۱۶ء میں اجمیر شریف میں منعقد ہونے والے جمعیۃ علماء ہند کے ۳۳ویں اجلاسِ عام کی صدارت فرمائی اور قومی و ملّی مسائل پر مشتمل خطبہ صدارت پیش فرمایا وہیں آپنے اپنے دورِ صدارت میں برپا ہونے والی قومی، ملّی اور فرقہ وارانہ مسائل پر مشتمل تحریکوں کی نہ صرف رہنمائی فرمائی بلکہ اپنی تنظیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں منظم بھی فرمایا۔

میزان

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

اسلامی اقامت گاہیں: وقت کی اہم ضرورت

ہندوستان میں نئی نسل کی بے راہ روی، دین سے دوری، لایعنی کاموں میں مشغولیت، فرائض وواجبات میں کوتاہی، حقوق کی ادائیگی سے پہلوتہی عام سی بات ہے، اس کے اسباب ووجوہات بہت سارے ہیں، ان میں سے ایک بڑا سبب اسکول وکالج میں اخلاق واقدار سے بے پرواہی، تعلیم کے ساتھ تربیت کا فقدان اور نصاب تعلیم میں خدا بیزار مواد وموضوعات کی شمولیت ہے، ان اداروں سے پڑھ کر جو طلبہ نکل رہے ہیں، وہ عموماً ذہنی طور پر مذہب بیزار اور دین سے دور ہوجاتے ہیں۔

صورت حال کی اس سنگینی کے حوالہ سے مجھے یہ کہنا ہے کہ اسکول وکالج میں پڑھنے والے طلبہ کی ایک بڑی تعداد دیہاتوں سے آکر حصول علم کے لئے شہروں میں فروکش ہوتی ہے، یہاں انہیں اسکولی تعلیم کے ساتھ کوچنگ کی بھی سہولت ہوتی ہے، ظاہر ہے وہ ہر دن گھر سے آجا نہیں سکتے، اس لئے کسی ہوسٹل میں قیام پذیر ہوتے ہیں، کسی لاج کو اپنا مسکن بناتے ہیں، جہاں کا ماحول اور بھی خراب ہوتا ہے، یہاں عموماً مالک مکان کو کرایہ سے مطلب ہوتا ہے، بچے کدھر جارہے ہیں؟ خارج وقت میں کیا کررہے ہیں؟ کن کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں؟ اس کی نگرانی نہیں کی جاتی اور اگر کوئی نگرانی کرتا ہے تو ایسے ہوسٹل کو طلبہ پسند نہیں کرتے اور اسے اپنی آزادی پر پہرہ قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے ہمارے لیے ناممکن سا ہے کہ اسکول وکالج کے ماحول میں کوئی بڑی تبدیلی لائیں، اس طرح جو ہوسٹلس قائم ہیں، ان کے اندر کہہ سن کر جزوی تبدیلی تو کی جاسکتی ہے لیکن بالکل یہ اسے اسلامی اخلاق واقدار سے ہم آہنگ کرنا کوہ کنی سے زیادہ مشکل کام ہے، ایسے میں ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور نسلوں کو تباہ ہوتا دیکھتے رہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ ہم اس کے لیے اپنی حدتک جدوجہد کریں، تاکہ نئی نسل کو گمراہ ہونے سے بچایا جاسکے۔ بیسویں صدی کے نصف اول میں اسکول وکالج کا ایسا حال نہیں تھا، طلبہ کی تربیت گھر سے باہر تک کی جاتی تھی، اساتذہ کے ادب واحترام کا ماحول تھا، ایسے میں لڑکے لڑکیاں کم گمراہ ہوتے تھے اور بہر کیف ان اخلاق واقدار کو چھوڑنا معیوب سمجھا جاتا تھا، آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ تربیت کی کمی کے ساتھ اخلاق رذیلہ پیدا کرنے کے لئے موبائل، انٹرنیٹ اور سوشل سائٹس بھی بے راہ روی کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں اور لڑکے لڑکیوں پر اس حوالہ سے کوئی قدغن نہیں ہے۔ اختلاط مردوزن عام ہے، اور اس کے مضر اثرات سے کوئی گاؤں، محلّہ اور علاقہ محفوظ نہیں ہے، مسلم لڑکیوں کا غیر مسلم لڑکوں سے ساتھ چلے جانا، کورٹ میرج کر لینا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، یہ معاملہ صرف شادی کا نہیں، ارتداد کا ہے، جس کا سامنا ہر جگہ مسلمانوں کو کرنا پڑ رہا ہے۔

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کو اس کا احساس کوئی ستر سال پہلے ہوگیا تھا، ان کی دور درس نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہوا کا رخ کیا ہے اور کس تیزی سے تبدیلی آرہی ہے، مولانا گیلانی کی تحریر وتقریر کا مرکز اصلاً انسان سازی ہی تھا، وہ بے راہ رو اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لانے کا جذبہ رکھتے تھے، نام نہاد روشن خیال لوگوں کو عمل کی حدتک نہ سہی کم از کم ایمان ویقین کی حدتک انہیں

آج صورت حال یہ ہوگئی ہے کہ تربیت کی کمی کے ساتھ اخلاق رذیلہ پیدا کرنے کے لئے موبائل، انٹرنیٹ اور سوشل سائٹس بھی بے راہ روی کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں اور لڑکے لڑکیوں پر اس حوالہ سے کوئی قدغن نہیں ہے۔ اختلاط مردوزن عام ہے۔

مسلمان رکھنے کے لیے کوشاں تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے پاس ایک اسکیم تھی جو جدید نسل کی بے راہ روی کے لیے تریاق کا درجہ رکھتی ہے، جس کا ذکر مکاتیب گیلانی: مرتبہ حضرت امیر شریعت رابع کے مقدمہ میں مولانا عبدالباری ندویؒ نے تفصیل سے کیا ہے، اس کے مطابق طلبہ وطالبات کو دین وایمان پر قائم رکھنے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ہر جگہ اور ہر علاقہ میں اسلامی نہج کے اسکول کھولے جائیں، جہاں دینی تعلیم اور اسلامی ماحول میں مسلم طلبہ وطالبات کو تعلیم دی جائے، اس کے لیے سرمایہ کثیر چاہیے، جس کے خرچ کے مسلمان متحمل نہیں ہیں اور جو لوگ متمول ہیں ان کو اس کا خیال ہی نہیں ہے، وہ سرکاری اسکول وکالجز میں پڑھنے پڑھانے کو کافی سمجھتے ہیں، پھر جو مسلمانوں ہی کے قائم کردہ ادارے ہیں، ان میں بھی کتنے ہیں جو اسلامی تہذیب وثقافت اور معتقدات کی حفاظت کو ضروری سمجھتے ہیں، ضرورت کے مطابق اسکول وکالجز کھولنے کے لیے نہ تو ہمارے پاس سرمایہ ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی تیار ہے، اس لیے اس کا قابل عمل حل مولانا گیلانی نے اسلامی اقامت خانے (ہوسٹل) کے طور پر ڈھونڈ نکالا تھا، ان کا خیال تھا کہ اسے سستا ہونا چاہیے اور تجارتی نقطہ؟ نظر کے بجائے اس میں اصلاحی فکر کے ساتھ لگنا چاہیے، وہ دیکھ رہے تھے کہ عصری تعلیم کا شیوع اس تیزی سے ہورہا ہے کہ امراء کے بچوں کے ساتھ غرباء کے بچے بھی اس ریس میں شامل ہوں گے، اعلیٰ تعلیم کے لیے شہروں میں وہ بود وباش کریں گے اور غیر اسلامی تہذیب وثقافت اور کلچر کا سیلاب انہیں خس وخاشاک کی طرح بہا لے جائے گا، ایسے وقت میں یہ اسلامی اقامت خانے ان کو دین وایمان پر قائم اور ثابت قدم رکھنے میں مفید ہوں گے۔

مولانا گیلانی نے ان اقامت گاہوں کا ایک خاکہ بھی بنایا تھا، جس کے مطابق بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ اقامت گاہوں کا ماحول دینی رکھنا ضروری تھا، نگراں اور وارڈن تو متشرع ہوں ہی ان کی نشست وبرخواست بھی کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کرائی جاتی رہے، جن کو دیکھ کر طلبہ کے اندر دینی شوق اور جذبہ پیدا ہو، روزہ اور نماز باجماعت کی پابندی تو ضرور کرائی جائے، البتہ زیادہ زور معاملات اور اخلاق کی درستگی پر دیا جائے، کتابی تعلیم کا بوجھ ان پر نہ ڈالا جائے، بعد نماز فجر آدھے گھنٹے قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر، منتخب احادیث جو ایمان ویقین کے ساتھ اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ پر ابھار سکتے ہوں، روزمرہ کے ضروری دینی مسائل کی واقفیت کے لئے فقہ کی کوئی ہلکی پھلکی کتاب، ان سب کے لیے ایک گھنٹے سے زیادہ نہ لگایا جائے تاکہ طلبہ کو بار خاطر نہ ہو، تھوڑا تھوڑا کر کے سیرت کا مطالعہ اور بس۔

مولانا گیلانی کے یار غار مولانا عبدالباری ندوی نے مولانا کے اس خاکے کی جزئیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، انہوں نے اقامت گاہوں میں دارالمطالعہ کے قیام اور ان میں رسائل وجرائد اور جدید ذہنوں کے لیے (باقی صفحہ ۱۴ پر)

گوشہ روزگار

انگریزی زبان میں ہیں کیریئر کے مواقع (۱)

گلوبلائزیشن کے نتیجے میں انگریزی کی اہمیت کئی گناہ بڑھ گئی ہے۔ برسوں سے انگریزی زبان بین الاقوامی اور قومی سطح پر بات چیت کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ انگریزی بات چیت کی اہمیت اس وجہ سے بھی بڑھتی جارہی ہے کیوں کئی مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایک خاص موضوع پر خوب مہارت رکھتا ہے لیکن انگریزی میں اسے ٹھیک سے نہیں پیش کرپاتا اور کئی جگہوں پر بنتے کام نہیں ہوپاتے۔ لہٰذا انگریزی زبان میں بات کرنا، اس پر مہارت حاصل کرنا بہتر کیریئر کے لیے ضروری ہے۔ ایسے ملک میں جہاں انگریزی زبان مادری زبان نہیں ہے اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایک ماہر انگریزی داں کے لیے کئی مواقع ہیں۔

موجودہ کارپوریٹ دنیا میں موثر طریقے سے انگریزی زبان میں بات چیت کرنے کی اہمیت کو تکنیکی علم سے زیادہ تسلیم کیا گیا ہے۔ کارپوریٹ دنیا کی زبان انگریزی ہے۔ موثر طریقے سے انگریزی بولنے والا شخص تجارتی ومینجمنٹ کی دنیا میں بہت جلد اونچا مقام حاصل کرسکتا ہے۔ آپ کے خیالات بہتر ہوں لیکن کمیونیکیشن اور پرونانسیشن پر مہارت نہیں تو بہت سے مسائل سے دوچار ہونا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے خیالات وہ شخص بہتر طریقے سے استعمال کرلے جو انگریزی پر مہارت رکھتا ہو اور آپ پیچھے رہ جائیں۔

بڑھتے ہوئے اسلامی انگریزی میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی زبردست مانگ ہے۔ مدارس میں پڑھانے والے مدرسین کے درمیان بھی انگریزی اور عربی کے ماہرین بہترین کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ غیر انگریزی زبان والے ممالک جیسے جاپان، چین، مڈل ایسٹ، روس، انڈونیشیا، ہندوستان ان تمام ملکوں میں انگریزی کے ماہرین کی زبردست مانگ ہے۔ آج بھی ہمارے ملک میں کئی کالج اور یونیورسٹیز میں ان مضمون کے ماہرین کی خالی نشستیں بہتر اور تعلیم یافتہ امیدواروں کی راہ تک رہی ہیں۔ چاہے مینجمنٹ کالج ہوں یا گریجویشن کے پروفیشنل کورسیز ہوں یا ٹیکنیکل کالج۔ تمام جگہوں پر ماہر انگریزی داں کی زبردست مانگ ہے۔ لہٰذا آج مختلف مقاصد کے لیے جیسے گروپ ڈسکشن، انٹرویو اورل پرزینٹیشن، رپورٹ رائٹنگ، لیٹر رائٹنگ وغیرہ ان تمام کی تیاری کرانے والے ماہرین کی زبردست مانگ ہے۔ انگریزی زبان کی تربیت دینے والے ماہرین عام طور پر انفرادی طور سے تربیت کا کام کرتے ہیں۔ قواعد کے اعتبار سے اسے صحیح جملہ بندی کرنا، الفاظ کی ذخیرہ بندی، مجمع میں لوگوں سے خطاب کرنا یہ کچھ مہارتیں ہیں جو انگریزی ماہرین سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

انگریزی میں مؤثر گفتگو کرنے کا ہنر

انگریزی میں مؤثر گفتگو کرنے میں عوامی خطاب کرنا، مذاکرات میں حصہ لینا، خیالات پیش کرنا، تبادلہ خیال کرنا، رپورٹ تیار کرنا، تجاویز تیار کرنا، مختلف مینومکس تیار کرنا، نوٹس اور دفتری کاغذات تیار کرنا شامل ہے۔ اس میں وربل اور نان وربل اسکلز بھی شامل ہیں۔ الفاظ کے صحیح طریقے سے ادائیگی، ٹھہراؤ، آواز کا اُتار چڑھاؤ بھی اس میں شامل ہے۔ ہمارے لیے انگریزی دوسری یا تیسری زبان ہے، مادری زبان نہیں۔ لہٰذا گھر پر اس کی مسلسل کوشش کرنا ضروری ہے۔ آج بہتر ملازمت کیلئے اپنے مضمون میں مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی میں مؤثر گفتگو کے فن میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔ (جاری)

دریچے

م-س-ج-

سائنس، نت نئی ایجادات اور صحت

سو سالوں میں سائنس میں کئی بڑے لمحے آئے، جیسے ڈی این اے کی ساخت کی دریافت لیکن خود یہ دریافت بھی ڈارون اور مینڈل کی وجہ سے ممکن ہوسکی اور اس نے بعد میں بائیوٹیکنالوجی کے دروازے کھول دیئے۔ آج ہم انسان کے مکمل ڈی این اے کا آسانی سے جائزہ لے سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملی ہے کہ جینیاتی بیماریاں کیسے لاحق ہوتی ہیں اور انھیں کیسے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ حال ہی میں سائنس دانوں نے ایک بچی کے جینز میں تبدیلی لاکر اسے لاحق کینسر کا مرض دور کردیا، تاہم انسانی جینوم اس قدر پیچیدہ ہے کہ ہم نے یہ سمجھنا بھی حال ہی میں شروع کیا ہے کہ جین کیسے ماحول کے ساتھ مل کر ہمارے جسم کا نظام چلاتے ہیں۔ آج ہم دنیا کو بڑی حدتک ایک الیکٹرانک اسکرین پر دیکھتے ہیں۔ کمپیوٹر مختلف شکلوں میں علم کا ماخذ ہیں، لیکن وہ اس بات کا بھی تعین کرتے جارہے ہیں کہ ہم بقیہ دنیا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ کس طرح سے پیش آتے ہیں۔ آج کے دور کی ایک انتہائی عام چیز یعنی اسمارٹ فون بھی کئی بنیادی دریافتوں کی مرہونِ منّت ہے۔ اس کے اندر موجود کمپیوٹر انٹی گریٹیڈ چپ کی مدد سے کام کرتا ہے۔ خود انٹی گریٹیڈ چپ ٹرانزسٹروں سے بنی ہوتی ہے جن کی دریافت کوانٹم میکینکس کی تفہیم کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ فون کے اندر موجود جی پی ایس آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت میں وقت کے تصور کی تفہیم پر کام کرتا ہے۔ حالانکہ ایک زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ یہ نظریہ عام زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال سکے گا۔ جدید ٹیکنالوجی کی نت نئی ایجادات اور اس کی بڑھتی ہوئے مانگ اور استعمال کی وجہ سے دنیا اگرچہ ایک گلوبل ویلج تو بن چکی ہے لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ انسانی صحت پر اس کے بڑھتے ہوئے مضر اثرات بھی تیزی سے سامنے آرہے ہیں۔ موبائل فون، انٹرنیٹ، ملٹی میڈیا اور ٹی وی کے بڑھتے ہوئے استعمال پر برطانیہ میں سامنے آنے والی حالیہ ریسرچ کے نتائج نے پوری دنیا کو چونکا کر رکھ دیا ہے۔ سائنسدانوں نے خبردار کیا ہے کہ آئندہ تیس سال یعنی ۲۰۴۵ء میں دنیا بھر میں پانچ ارب انسانوں کی دور کی نظر خراب ہوجائے گی جو کہ پوری آبادی کا نصف ہوگی جبکہ اندھے پن کا شکار مریضوں کی تعداد بھی بڑھ کر سات فیصد تک پہنچ جائے گی کیونکہ دور کی نظر کی خرابی اندھے پن کی پانچویں بڑی وجہ ہے۔ سائنسدانوں نے والدین کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی نظریں باقاعدگی سے چیک کروائیں، کتابوں کے مطالعہ میں نہ صرف اعتدال لایا جائے بلکہ الیکٹرانک آلات کو بھی بچوں سے دور رکھا جائے، بچوں کو دن کی بھرپور روشنی میں کھیل کود کے مواقع مہیا کیے جائیں۔ بات صرف نظر کی خرابی تک ہی محدود نہیں بلکہ موبائل فون کے بے جا استعمال کے اور بھی کئی نقصانات سامنے آرہے ہیں۔ سائنسدان پروفیسر مارتھا ڈرن فیلڈ کا کہنا ہے کہ ایک سال تک سو سے زائد ایسے مردوں کا تجزیہ کیا گیا جو اپنا موبائل پتلون کی جیب میں رکھتے تھے، تحقیق کے دوران پتہ چلا کہ اگر آپ تقریباً ایک گھنٹے تک موبائل کو ہینڈ فری کے ساتھ استعمال کریں اور اس دوران یہ آپ کی پتلون کی جیب میں پڑا ہو تو اس صورت میں آپ کو مردانہ بانجھ پن کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، اس کی وجہ موبائل کی الیکٹرو میگنیٹک لہروں کی موجودگی ہے جو مردوں پر انتہائی مضر اثرات مرتب کرتی ہیں۔ ڈاکٹر مارتھا کا کہنا تھا کہ اس بات کی سخت احتیاط کی جانی چاہیے کہ موبائل فون کو زیادہ وقت کے لیے پتلون کی جیب میں نہ رکھا جائے جبکہ سوتے وقت بھی اسے خود سے دور رکھا جائے۔ سائنسدانوں کا کہنا تھا کہ موبائل فون پر لمبی بات چیت سے بھی گریز کرنا چاہیے جبکہ چارجنگ کے وقت اسے استعمال نہ کرنے یا آف کردینے سے بانجھ پن کے خطرے سے بچا جاسکتا ہے۔ سائنسدانوں کے مطابق موبائل فون کے زیادہ اور مسلسل استعمال سے جہاں انسانی دماغ اور اس کے خلیات کو نقصان پہنچ سکتا ہے، وہیں موبائل کو شرٹ کی فرنٹ جیب میں دل کے قریب رکھنے سے بھی دل کی دھڑکن متاثر ہونے کے علاوہ انسانی صحت پر بھی مضر اثرات مرتب ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح سائنس انسان کو جدید سے جدید دنیا اور آسانیاں دے رہی ہے ویسے ہی نقصان سے بچاؤ کا طریقہ بھی بتاتی ہے۔ امریکہ میں ندیوں کو پائیدار بنانے اور اس کے پانی کو محفوظ رکھنے کی خاطر اس کے جنگل والے آب گیرہ علاقے کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے بھی ہندستانی شراکت داروں کے ساتھ کام کیا ہے۔ یو ایس ایڈ فی الحال ون (جنگل) سسٹم سمیت وفاقی اور مقامی عہدیداروں کے لیے جنگل کے انتظام کے نئے طریقوں کو تیار کرنے کی خاطر ہندستانی وزارتِ ماحولیات، جنگلات وموسمویاتی تبدیلی کے ساتھ کام کررہا ہے۔ کیرالہ، تلنگانہ اور بہار میں جنگلاتی علاقوں کے تین لاکھ ہیکٹیئر رقبے کے جنگل والے علاقے سے ڈیٹا اکٹھا کرنے کے لیے ون نظام پہلے ہی نافذ کیا جاچکا ہے جس سے کیرل کے محکمہ جنگلات کو جنگل کے بندوبست کے طریقۂ کار کو تازہ ترین طور طریقوں کے مطابق ڈھالنے میں مدد مل رہی ہے۔ اس وقت کمپیوٹر نئی دریافتوں میں مدد دے رہے ہیں جن کی وجہ سے ہمارا دنیا کے بارے میں تصور بدلتا جارہا ہے۔ اس وقت ہمارے درمیان ایسی مشینیں موجود ہیں جو خود سیکھ سکتی ہیں اور وہ ہماری دنیا کو تبدیل کررہی ہیں۔ کمپیوٹر صحت اور سماجی میدانوں میں پیش رفت کے وسیع امکانات رکھتے ہیں اور ہم جلد ہی اپنے درمیان بغیر ڈرائیور والی کاریں اور جدید روبوٹ دیکھ سکیں گے لیکن ہمیں اس بارے میں بہت سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے ہوں گے کہ ہمیں ذہین مشینوں کو کس حدتک دخل اندازی کی اجازت دینی چاہیے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے استعمال نے صرف سائنسدانوں ہی پر اثر نہیں ڈالا، ان کا انحصار ثقافتی، معاشی اور سیاسی عوامل پر ہے۔ سائنس انسانی علم کی فتح ہے اور اس کی تفہیم اور استعمال سے ہمیں دوررس فیصلے کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ کسی بھی نئے تصور یا ایجاد کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بازار ایسی مصنوعات کو (جن کو پہلے کبھی کسی نے نہیں دیکھا) بہت آہستہ آہستہ قبول کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ صحت کو مدنظر رکھتے ہوئے بنیادی ضروریات میں آسانی کی زندگی کو ضرور زیر استعمال لایا جائے۔

سچن بیش قیمتی ہیں لیکن پارٹی کسی کی امید کے حساب سے فیصلے نہیں کرتی

اپوزیشن مسلسل حکومت سے ملک میں زیادہ سے زیادہ ٹیسٹنگ کا مطالبہ کررہا ہے

راجستھان کانگریس کے انچارج وجنرل سیکریٹری اجے ماکن کا انٹرویو

راجستھان میں کانگریس کے اندر ایک بار پھر کشمکش تیز ہوتی دِکھائی دے رہی ہے۔ سچن پائلٹ کا صبر جواب دے رہا ہے۔ گزشتہ سال بغاوت کے بعد جب انہوں نے کانگریس میں واپسی کی تھی تو امید تھی کہ ان کا اور ان کے معتمد ممبرانِ اسبلی کا حکومت میں بہتر استعمال ہوگا لیکن اب تک ایسا نہیں ہوا۔ وہاں کے حالات کا کانگریس قیادت کس نظریے سے دیکھ رہی ہے یہ جاننے کے لیے راجستھان کانگریس کے انچارج و جنرل سیکریٹری اجے ماکن سے بات چیت کی گئی۔ پیش بات چیت کے خاص حصے۔

س: راجستھان میں آپ کس طرح کی سیاسی ہلچل دیکھ رہے ہیں؟

ج: راجستھان کے لوگ کانگریس کے ساتھ کھڑے ہیں۔ پچھلے دنوں ہی راجستھان میں تین سیٹوں پر اسمبلی انتخابات ہوئے جن میں کانگریس کو ۵۱ فیصد ووٹ ملے تھے جو آج تک تاریخ میں سب سے زیادہ ہے۔ تین سیٹوں میں سے دو سیٹ ہم نے حاصل کیں اور ایک پر ناکام رہے۔ جو سیٹ ہم ہارے اس پر ہم کبھی جیتے بھی نہیں ہیں۔ عام انتخابات میں ہم یہ سیٹ ۲۵ ہزار ووٹوں کے فرق سے ہارے تھے لیکن ضمنی انتخاب میں ہماری ناکامی محض پانچ ہزار ووٹوں سے ہوئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو کانگریس نے بہتر مظاہرہ کیا ہے۔ اس کا سہرا اشوک گہلوت سرکار کی کارکردگی اور کانگریس تنظیم کو جاتا ہے۔

کشاکش کے باوجود اگر کانگریس پارٹی نے اسمبلی انتخابات اور علاقائی باڈی انتخابات میں بہتر مظاہرہ کیا ہے تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ لوگ کانگریس کے کام کاج کو پسند کررہے ہیں۔ علاقائی باڈی اور ضمنی اسمبلی انتخابات میں کانگریس کو حاصل ووٹ فیصد پر نظر ڈالی جائے تو ۲۰۱۸ء اسمبلی انتخابات کے مقابلے میں ۲۳ فیصد زیادہ ووٹ حاصل ہوئے۔

س: لیکن ریاست میں گہلوت اور سچن پائلٹ کے درمیان کھینچ تان جاری ہے، اس کا اثر پارٹی پر تو پڑ ہی رہا ہوگا؟

ج: کشاکش کے باوجود اگر کانگریس پارٹی نے اسمبلی انتخابات اور علاقائی باڈی انتخابات میں بہتر مظاہرہ کیا ہے تو اس کا مطلب ظاہر ہے کہ لوگ کانگریس کے کام کاج کو پسند کررہے ہیں۔ علاقائی باڈی اور ضمنی اسمبلی انتخابات میں کانگریس کو حاصل ووٹ فیصد پر نظر ڈالی جائے تو ۲۰۱۸ء اسمبلی انتخابات کے مقابلے میں ۲۳ فیصد زیادہ ووٹ حاصل ہوئے۔

س: کچھ دن پہلے سچن پائلٹ حامی ایک ممبر اسمبلی نے استعفیٰ دے دیا ہے، کیا یہ تشویش کی بات نہیں ہے؟

ج: یہ پارٹی کا اندرونی معاملہ ہے جسے ہم آپس میں مل بیٹھ کر حل کرلیں گے؟

س: کانگریس ہائی کمان نے پائلٹ حامیوں کی شکایتوں کے ازالے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی لیکن اس کمیٹی نے آج تک کچھ نہیں کیا۔ کیا یہ سچن کو نظر انداز کرتے رہنے کی حکمت عملی کا حصہ ہے؟

ج: ایسا کسی حکمت عملی کے تحت نہیں ہورہا ہے۔ اگر ایسا کوئی سوچ رہا ہے تو وہ غلط ہے۔ راجستھان میں جب وہ کمیٹی بنی تھی تو ہمارے سینئر رہنما احمد پٹیل اس کے ممبر تھے۔ وہ علیل ہوگئے اور اس کے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ اس وجہ سے کمیٹی اپنا کام انجام نہیں دے پائی، اس کے بعد ضمنی انتخابات اور ملک کو کورونا کی دوسری لہر آ گئی، اسی وجہ سے سیاسی فیصلہ لینے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

س: ویسے سچن کی جو امیدیں ہیں پارٹی قیادت سے وہ کب تک پروان چڑھ سکتی ہیں؟

ج: پارٹی کسی کی امید کے حساب سے فیصلہ نہیں لیتی۔ سچن پارٹی کے لیے انمول ہیں، ہمارے اسٹار کمپینر ہیں، راجستھان میں کانگریس سرکار بنانے میں ان کا بڑا رول ہے۔ آنے والے دنوں میں پارٹی ان سب چیزوں کو مدنظر رکھ کر ہی انھیں اہم ذمہ داری دے گی۔

س: پانچ ریاستوں کے نتائج سے کانگریس کی کمزوری پھر سامنے آئی ہے، آخر کہاں چوک ہورہی ہے کانگریس سے؟

ج: کانگریس صدر نے اشوک چوہان کی قیادت میں ان انتخابی نتیجوں پر جو کمیٹی بنائی گئی ہے وہ جواب ڈھونڈ رہی ہے۔ اس کی رپورٹ آنے سے پہلے کسی کا بھی اس پر کچھ کہنا مناسب نہیں ہوگا۔

س: کورونا کے سبب کانگریس بی جے پی حکومتوں پر بدنظمی کا الزام لگا رہی ہے لیکن کانگریس کے زیر اقتدار ریاستوں میں بھی حالت کوئی بہتر نہیں ہے؟

ج: کانگریس اقتدار والے صوبوں میں حالات کافی بہتر ہیں۔ کانگریس حکومت والی ریاستوں میں ویکسی نیشن کی شرح اوسط سے زیادہ ہے۔ راجستھان اور چھتیس گڑھ کی گنجان آبادی والے شہروں کو دیکھیں تو وہاں فی کس وائرس کی شرح اور شرح اموات پورے ملک میں سب سے کم ہے۔ سب سے خراب صورتحال یوپی، بہار اور آسام کی ہے۔

کانگریس اقتدار والے صوبوں میں حالات کافی بہتر ہیں۔ کانگریس حکومت والی ریاستوں میں ویکسی نیشن کی شرح اوسط سے زیادہ ہے۔ راجستھان اور چھتیس گڑھ کی گنجان آبادی والے شہروں کو دیکھیں تو وہاں فی کس وائرس کی شرح اور شرح اموات پورے ملک میں سب سے کم ہے۔ سب سے خراب صورتحال یوپی، بہار اور آسام کی ہے۔

س: کہا جارہا ہے کہ اس چیلنج بھرے وقت میں اپوزیشن کو مناسب کردار ادا کرنا چاہیے، کیا ایسا ہورہا ہے؟

ج: صحت سے وابستہ پارلیمنٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے اجلاس میں اپوزیشن ممبران نے آکسیجن کا نظام چست درست کرنے پر زور دیا تھا۔ اپوزیشن مسلسل حکومت سے ملک میں زیادہ سے زیادہ ٹیسٹنگ کا مطالبہ کررہا ہے۔ ویکسی نیشن کی دستیابی کے لیے ضروری لائسنسنگ کی صلاح دی اور سابق وزیراعظم منموہن سنگھ نے وزیراعظم نریندر مودی کو خط لکھ کر پانچ تجویزیں بھیجیں تو دوسری طرف سے بیحد نامناسب الفاظ میں جواب دیا گیا۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے سرکار کو مشورہ دیا کہ اس کا خشک جواب بی جے پی صدر جے پی نڈا کی طرف سے آیا۔ اپوزیشن اور کیا کرسکتی تھی، اپوزیشن حکومت میں تو ہے نہیں۔ ▫▫

ہوا کے دوش پر

دنیا میں تین کروڑ بچے، آج بھوک کا شکار ہیں

گلوبل ہنگر انڈیکس (جی ایچ آئی) کی تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے ۵۰ سے زائد ملکوں میں مسلح تصادم کی وجہ سے ۸۰۰ ملین افراد تک پوری خوراک نہیں پہنچ رہی ہے۔ انٹرنیشنل فوڈ پالیسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، کنسرن ورلڈ وائیڈ اور ویلٹ ہنگر کی تیار کردہ ۲۰۱۵ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا میں ۳۲ ممالک ایسے ہیں جن میں سے زیادہ تر میں مسلح تصادم کی بنا پر صورت حال یا تو پریشان کن ہے یا پھر تشویشناک۔ ان ملکوں میں ۸ ممالک ایسے ہیں جہاں صورت حال خوفناک حد تک بگڑ چکی ہے اور ان میں سینٹرل افریقن ریپبلک ۴۶ء۹ پوائنٹس کے ساتھ سرِفہرست ہے، دوسرے پر چاڈ اور تیسرے پر زامبیا ہے۔ ان ممالک میں بچوں کی شرح اموات میں بھی روز بروز اضافہ ہورہا ہے۔ رپورٹ میں مشرقی تیمور، سیرالیون، ہیٹی، مڈغاسکر، افغانستان، نائیجر اور یمن کو ان پہلے دس ممالک کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے، جہاں خوراک کی کمی میں مبتلا افراد کی تعداد میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے۔ اس فہرست میں ہندوستان ۲۵ ویں اور پاکستان ۱۱ویں نمبر پر ہے، جہاں صورت حال تشویشناک ہے۔ انڈیکس کے مطابق ۲۰۰۵ء کے مقابلے میں پاکستان میں بھوک کی صورت حال میں ۴ء۴ پوائنٹس اور ہندوستان میں ۵ء۹ پوائنٹس کی کمی آئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا کو جہاں دیگر بہت سے مسائل کا سامنا ہے وہیں ایک بڑا مسئلہ بھوک اور افلاس کا بھی ہے۔ یعنی دنیا کی بہت بڑی آبادی ایسی ہے جسے دو وقت تو درکنار، ایک وقت کی بھی روٹی مشکل سے نصیب ہوتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں ہر روز دس لاکھ افراد بھوکے سوتے ہیں اور دنیا کا ہر چوتھا شخص فاقہ زدہ ہے جو وقت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ دنیا بھر میں ۳ کروڑ سے زائد بچے بھی بھوک سے متاثر ہیں۔ ہر چار سیکنڈ میں ایک انسان بھوک کی وجہ سے لقمہ اجل بن جاتا ہے۔ جی ایچ آئی کی حالیہ رپورٹ دنیا بھر کے صاحبان اقتدار کے لئے لمحہ فکریہ ہے کیونکہ ایک جانب یہ رپورٹ ہے اور دوسری جانب اقوام متحدہ کے ملینیم ڈیولپمنٹ گولز ہیں۔ اقوام متحدہ نے ۲۰۰۰ء میں بھوک، غربت، بیماریوں اور تعلیمی پسماندگی کے خاتمے کے لئے ۸ اہداف مقرر کئے تھے اور ۲۰۱۵ء تک یہ اہداف حاصل کرنے کا عہد کیا گیا تھا۔ تاہم اب تک محض چند اہداف ہی حاصل کئے جاسکے ہیں۔ ایک ماہر کا کہنا ہے کہ افریقہ پر نظر ڈالی جائے تو وہاں بھوک اور غربت کم ہونے کے بجائے بڑھی ہے۔ یہ بہت ہی اہم ہے کہ افریقہ میں خام مال کے کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم کو اگر خطے میں غربت کے خاتمے اور پائیدار ترقی کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے اثرات ترقی کے لئے دی جانے والی امداد سے زیادہ وسیع اور مؤثر ہوں گے۔ بھوک اور غربت کے خلاف پیش رفت کا تعلق بھی چین سے بھی ہے کہ وہاں کی آبادی کا معیار زندگی بہتر ہوا ہے۔ بعض ماہرین کے مطابق سب صحارا اور جنوب مشرق ایشیاء میں ۲۰۱۵ء تک غربت کو نصف نہیں کیا جاسکا اور اب بھی دنیا بھر میں ۸۴۲ ملین افراد کو انتہائی بھوک کا سامنا ہے۔

ملک میں گیارہ ہزار کھلے پڑے ریلوے کراسنگ، موت کا دروازہ ہیں

جھارکھنڈ کے دارالحکومت رانچی سے تقریباً ۵۰ کلومیٹر دور ایک ریلوے کراسنگ پر پچھلے دنوں حادثے میں ۱۴/افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ یہ لوگ ایک نجی گاڑی پر سوار تھے۔ جو ریلوے پٹری پار کر رہی تھی اور تیزی سے آتی ٹرین سے ٹکرا گئی۔ المناک بات یہ ہے کہ ہندوستان میں آج بھی غیر محفوظ ریلوے کراسنگ پر موت عام بات ہے۔ ایسے حادثات دور دراز کے علاقوں سے لے کر شہروں تک میں ہوتے رہتے ہیں۔ ممبئی ریلوے پٹریوں پر ہر سال ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ہندوستان میں تقریباً ۱۱۰۰۰ سے زیادہ اِس طرح کے ریلوے کراسنگ ہیں، جن کو پار کرنے والے لوگوں یا گاڑیوں کو روکنے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور یہ موت کا دروازہ بن گئے ہیں۔ سال ۲۰۱۲ء میں وزارت ریلوے نے کہا تھا کہ سال ۱۶-۲۰۱۵ء تک ملک میں ایک بھی ایسی ریلوے کراسنگ نہیں رہے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس درمیان کچھ ہی ریلوے کراسنگ پر ملازمین اور گیٹ کا انتظام ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ریلوے حادثات میں جو اموات ہوتی ہیں، اُن میں سے نصف سے زیادہ۔ کچھ ماہرین کے مطابق تو ۷۰ فیصد تک ریلوے کراسنگ پر ہوتی ہیں۔ اگر ہر سال ہزاروں لوگ اس طرح اپنی جان گنواتے ہیں تو حکومت کو اس مسئلے سے جنگی سطح پر نمٹنا چاہیے، لیکن اس طرح کی تیاری حکومت کی نظر آتی ہے۔ ایک وجہ تو یہی ہے کہ گزشتہ طویل عرصہ سے ریلوے کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ تقریباً دو ڈھائی دہائیوں سے ریلوے کو بہتر بنانے کی بجائے اس کا سیاسی فائدہ اٹھانے میں سیاستدانوں کی دلچسپی رہی ہے۔ اس کی وجہ سے ریل بہت پسماندہ ہوگئی ہے۔ مسلسل نظر انداز کئے جانے کی وجہ سے ہر سال ریلوے کی آمدنی میں اضافہ نہیں ہوتا اور ممکنہ خرچ بڑھتا چلا جارہا ہے۔ فی الحال صورت حال یہ ہے کہ ریل محکمہ کسی طرح اپنے روزمرہ کے خرچ ہی نکال پاتا ہے۔ گزشتہ کچھ وقت سے ریلوے کو بہتر بنانے کی کوشش شروع ہوئی ہے، لیکن اس میں جتنے بھاری سرمایہ کی اب ضرورت ہے اس کا حصول زیادہ مشکل کام ہے۔ ریلوے کی اس کوتاہی کا اثر اُس کے اپنے کام ثقافت اور عام لوگوں کے ریلوے کے تئیں رویہ پر بھی پڑا ہے۔ اس کا سب سے خوفناک ثبوت ریل حادثات کے اعداد وشمار میں ملتا ہے۔ ریل حادثات کی وجوہات کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً ۸۶ فیصد حادثات انسانی غلطی سے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۴۰ فیصد ریل ملازمین کی غلطی سے اور ۴۶ فیصد عوام کی غلطیوں سے۔ عوام کی غلطیوں سے ہونے والے حادثات زیادہ تر ویسے ہی ہوتے ہیں، جیسے جھارکھنڈ میں ہوا، یعنی خطرے کی پرواہ کئے بغیر پٹری پار کرنا، ظاہر ہے، ان حادثات کے لئے ریلوے کو ہی مکمل طور پر ذمہ دار نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ لوگ بھی پٹری عبور کرنے میں بہت لاپرواہی برتتے ہیں لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ بہت ساری جگہوں پر لوگوں کو روکنے یا محفوظ پٹری پار کرنے کے جیسے انتظامات ہونے چاہیے، ویسے نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے انجن ڈرائیور کی غلطی سے بھی ایک حادثہ ہوا ہے۔ ہریانہ میں پلول کے قریب ایک لوکل ٹرین، ہاوڑہ ۲ بھوپال ایکسپریس سے ٹکرا گئی۔ جس سے لوکل ٹرین کے ڈرائیور کی موت ہوگئی۔ حادثے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ لوکل ٹرین کے ڈرائیور نے شاید سگنل نہیں دیکھا یا کہرے کی وجہ سے اسے سگنل نہیں دکھائی دیا۔ یہ صحیح ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے ریل حادثات کی تعداد میں کمی آئی ہے، لیکن اب بھی ہندوستان میں حادثات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ۲۱ ویں صدی میں کسی جدید ریل نظام کے لئے تقریباً صفر حادثہ شرح حاصل کرپانا ممکن ہے، لیکن اس کے لئے کئی سطحوں پر کوشش کی ضرورت ہے، تاکہ پٹریاں محفوظ ہوسکیں اور موت کے دروازوں پر روک لگ سکے۔

ماضی کے جھروکے سے

تاریخ ہند کا ایک ورق

آزادیِ ہند کی پہلی آواز

نواب سراج الدولہ ۳

تحریر: فاروق ارگلی

کلکتہ کی شکست کے بعد مدراس میں 800 انگریزوں اور 1300 ہندوستانیوں کا ایک لشکر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بدنام زمانہ کرنل کلائیو کی سربراہی میں ترتیب دیا گیا جس نے بعد میں اپنی کامیاب شیطانی فطرت سے ہندوستان کو برطانیہ کا غلام بنانے میں بنیادی کردار ادا کیا اور تاریخ میں لارڈ کلائیو کے نام سے مشہور ہوا۔ کلکتہ میں موجود بظاہر قابل رحم اور حقیر انگریزوں نے وہاں کے عامل دیوان مانک چند کو گمراہ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی، یہ کام اتنی چالاکی سے کیا گیا تھا کہ نواب کے جاسوسوں تک کو خبر نہ لگ سکی تھی۔ جس وقت کلائیو کا بیڑا کلکتہ کے ساحل پر پہنچا تو مانک چند کی فوجوں نے فرضی مقابلہ کرنے کے بعد انگریزی فوج کے لیے راستہ صاف کردیا۔ مانک چند نے نواب کو پیغام بھیجا کہ اس کی فوج انگریزوں کی زبردست فوج سے مقابلہ کرنے سے قاصر ہے۔ انگریزوں نے بڑی آسانی سے تناہ اور ہگلی کے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔ ہگلی شہر کو بری طرح لوٹ کر تباہ کردیا اور سیکڑوں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس صورتِ حال میں نواب نے سمجھ لیا تھا کہ اب ان بے ایمان انگریزوں سے اپنی سرزمین کو پاک کرنا ہی ہوگا لیکن اسے کلائیو اور اس کے ساتھی واٹسن کی چالوں کا شکار ہونا پڑا۔ کلائیو نے صلح کی دعوت اس انداز میں دی کہ سادہ لوح سراج الدولہ کو لگا کہ انگریز واقعی صلح کے طلبگار ہیں۔ نواب کے کئی قریبی لوگ جو اب درپردہ انگریزوں کے وفادار بن چکے تھے انہوں نے نواب کی صلح پسندی کو مہمیز کیا۔ کلائیو صلح اور دوستی کے نام پر مذاکرات کے بہانے نواب کو کلکتہ بلاکر دھوکے سے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ نواب صلح صفائی کے لیے کلکتہ کے قریب آکر خیمہ زن ہوا تو رات کے اندھیرے میں خیمے پر حملہ کردیا گیا۔ انگریز قوم کی تاریخ میں دغابازی اور فریب کاری کی یہ بدترین مثال ہے لیکن جس وقت حملہ ہوا سراج الدولہ خیمے میں موجود نہیں تھا اسے انگریزوں کی سازش کا پتہ پہلے ہی چل گیا تھا۔

کلائیو اور واٹسن نے سراج الدولہ کے گرد سازشوں کا جو جال بچھایا تھا تاریخ کی کتابوں میں ان کی تفصیل بے حد طویل ہے۔ انہوں نے اس کے دربار اور فوج میں غداروں کی ایک بھاری تعداد کھڑی کرلی تھی جن کی وجہ سے نواب قدم قدم پر دھوکے کھاتا رہا اور جس وقت سراج الدولہ کو انگریزوں کی ازلی شیطنت کا پوری طرح احساس ہوا اور اس نے پوری شدت کے ساتھ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی سرزمین کو ان بدطینت غیر ملکیوں سے پاک کردے گا لیکن تب تک بہت دیر ہوچکی تھی۔ کلائیو نے سراج الدولہ کے نہایت قابل اعتماد وزیر نمک حرام میر جعفر کو اس وعدے کے ساتھ ملالیا کہ سراج الدولہ کے بعد اسے ہی بنگال کا حکمراں بنادیا جائے گا، کلکتہ کا دولتمند سیٹھ امی چند بھی اس سازش میں انگریزوں کا حلیف بن گیا جس پر سراج الدولہ کو پورا اعتماد تھا۔

4/جون 1757ء کو کلائیو، واٹسن اور میر جعفر کے درمیان ایک خفیہ سمجھوتہ ہوا جس کے تحت جس قدر اختیارات سراج الدولہ نے انگریزوں کو دیے رکھے تھے۔ میر جعفر انہیں قائم رکھے گا۔ انگریزوں یا میر جعفر کی کسی تیسری طاقت کے ساتھ لڑائی ہو تو ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ تمام فرانسیسی اور انگریزی کوٹھیاں انگریزوں کے حوالے جائیں گی اور فرانسیسیوں کو بنگال میں نہیں رہنے دیا جائے گا۔ جنگ کے نقصانات کی تلافی کے لیے میر جعفر کمپنی کو ایک کروڑ روپے دے گا، اس طرح الگ الگ نقصانات کے لیے کلکتہ کے انگریز باشندوں کو 50 لاکھ، ہندوؤں کو 20 لاکھ آرمینی باشندوں کو 7 لاکھ روپے ادا کرے گا۔ کلکتہ کی خندق کے اندر اور باہر چاروں طرف 600 گز تک کی زمین انگریزوں دے دی جائے اور اس کے ساتھ ہی ہگلی ندی اور نمک کی جھیلوں کے درمیان کا تمام علاقہ انگریزوں کو دے دیا جائے۔ جب کبھی میر جعفر کو انگریز فوج کی ضرورت پڑے تو وہ اس کے سارے مصارف برداشت کرے گا۔ ہگلی کے نیچے، دریا کے اوپر میر جعفر کی سرکار کوئی قلعہ بندی نہیں کرسکے گی۔ اقتدار سنبھالنے کے 30 دن کے اندر میر جعفر ان تمام شرطوں کو پورا کردے تو یہ معاہدہ قائم رہے گا۔

12 جون 1757ء کو میر جعفر نے کلکتہ میں موجود کلائیو کو خفیہ پیغام بھیجا کہ یہی مناسب وقت ہے جب مرشد آباد پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ پیغام پاتے ہی برطانوی فوج مرشد آباد کی طرف چل پڑی۔ سراج الدولہ کو جب انگریزی فوج کی مرشد آباد کی جانب پیش قدمی کی اطلاع ملی تو میر جعفر سے مشورہ کیا۔ میر جعفر نے قرآن ہاتھ میں لے کر وفاداری کی قسم کھائی اور نواب کی فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے آخر دم تک انگریزوں سے لڑنے کا عہد کیا۔ سراج الدولہ کے سامنے میر جعفر پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ نواب پوری تیاری کے ساتھ اپنی فوج لے کر مرشد آباد سے روانہ ہوا اور شہر سے تقریباً 30 میل کے فاصلے پر پلاسی کے میدان میں پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ پلاش کے درختوں کا گھنا جنگل تھا اس لیے اس مقام کا نام پلاشی یا پلاسی پڑ گیا تھا۔

23 جون 1757ء کو انگریزوں اور سراج الدولہ کی افواج آمنے سامنے تھیں۔ سپہ سالار میر جعفر کے علاوہ نواب کی فوج میں تین سردار یار لطف خاں، راجہ درلبھ رائے اور میر مدن، سراج الدولہ اس عظیم الشان فوج کے 45 ہزار سپاہی سپہ سالار میر جعفر کی کمان میں تھے۔ جبکہ 12000 سپاہی میر مدن اور راجہ درلبھ رائے کے ماتحت تھے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ سراج الدولہ پلاسی کے میدان میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑا۔ مؤرخین کا یہ بھی خیال ہے کہ اس دن نواب کی فوج انگریزوں کو نیست و نابود کردیتی لیکن میر جعفر، یار لطف خان اور راجہ درلبھ رائے اپنا ضمیر فروخت کرچکے تھے۔ عین اس وقت جب کلائیو کی فوج کے قدم اکھڑنے والے تھے میر جعفر نے اپنی فوجوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا البتہ میر مدن بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے آخری سانس تک اپنے دستوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کرتا رہا یہاں تک کہ انگریزوں نے اسے گھیر کر مار ڈالا۔ میر جعفر اور دونوں نمک حرام سرداروں کی وجہ سے نواب کی فوجوں کی شکست ہوگئی۔ نواب میدان جنگ سے فرار ہوکر مرشد آباد واپس لوٹا، لیکن میر جعفر کے فوجیوں نے چند دن میں اسے تلاش کرکے قتل کردیا۔ انگریزوں نے میر جعفر کو غداری کے انعام میں مرشد آباد کا کٹھ پتلی صوبے دار بنادیا لیکن میر جعفر کا نام غداری اور نمک حرامی کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے درج ہوچکا تھا۔ جبکہ نواب سراج الدولہ جیسے صاحب کردار اور نیک خصلت اور بہادر نوجوان کو ہندوستان میں برطانوی استعمار کے خلاف تلوار اٹھانے والے اولین مجاہدین اور اپنی مادر وطن کی آزادی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے شہیدان وطن کی صف میں دائمی اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوگیا۔

کلائیو کی بداعمالیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے انگریز مورخین نے جھوٹے اور بے بنیاد الزامات کے ذریعہ نواب سراج الدولہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے لیکن سراج الدولہ کی صداقت پسندی، شجاعت، ایمانداری اور دیانتداری کو ایسی ناپاک کوششوں کے ذریعہ جھٹلا یا نہیں جاسکتا۔ ایک انگریز افسر کرنل مالیسن نے اپنی کتاب DECISIVE BATTLES OF INDIA میں لکھا ہے:"

سراج الدولہ کے کردار میں کوئی اور خامی کیوں نہ رہی ہو، اس نے اپنے مالک کے ساتھ غداری نہیں کی اور نہ اپنے ملک کا سودا کیا۔ کوئی بھی ایماندار اور غیر جانبدار انگریز 9 فروری اور 23 جون 1757ء کے دوران کے واقعات پر اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ شرافت کے معیار پر سراج الدولہ کا نام کلائیو کے نام سے بدرجہا بلند نظر آتا ہے۔ اس المیہ ڈرامے کے اہم کرداروں میں صرف سراج الدولہ ہی ایک ایسا شخص تھا جس نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔"

مسلمہ تاریخی حیثیت یہ ہے کہ سراج الدولہ کی لیاقت اور اس کی شاندار شخصیت کی وجہ سے ہی برطانیہ کے عیسائی تاجروں نے اپنی قوم کے مفاد میں اس کا خاتمہ کرنا ضروری سمجھا۔ نواب کا خزانہ زر و جواہر سے لبریز تھا، ان غیر ملکوں کی نگاہیں اس بے پناہ دولت پر جمی ہوئی تھیں۔ سراج الدولہ کی سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ وہ سازشی انگریزوں کی چالوں کو سمجھ نہیں سکا۔ بار بار دھوکہ کھاکر بھی ان پر رحم اور دوستی کا برتاؤ کرنا، اور ان سے امن و امان کے ساتھ رہنے کی توقع کرنا سراج الدولہ کی ایسی غلطیاں ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان میں انگریز کو اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع مل گیا۔ پلاسی کی جنگ جیتنے کے بعد اس مقام پر ہندوستان میں برطانوی حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ انگریزوں نے اس میدان میں کھڑے پلاش کے درختوں کو جڑوں سے کھود کر لکڑیاں انگلستان روانہ کردیں تاکہ وہ پورے برطانیہ کے انگریزوں میں تقسیم کی جائیں اس طرح اس دن کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے جب ہندوستان میں برطانوی سامراج قائم کرنے میں اہم کامیابی حاصل ہوئی۔ سراج الدولہ نے اپنے مختصر سے دور حکومت میں اپنے نانا کی روایات کو قائم رکھا۔ بنگال کی تاریخ شاہد ہے کہ علی وردی خاں اور سراج الدولہ نے مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی فرق نہیں سمجھا۔ سراج الدولہ کے بعد غدار میر جعفر بنگال کا کٹھ پتلی نواب بنا۔ وہ لارڈ کلائیو کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا تھا۔ □□

برطانوی دستور کی مختصر تاریخ (۱۸)

(۵) **مالیات پر کنٹرول**: وزیراعظم صرف خارجی امور پر ہی نہیں بلکہ ملک کے مالیات پر بھی کنٹرول رکھتا ہے۔ وزیر مالیات بجٹ تیار کرتے وقت اور اس کے بعد ہر مالی مسئلے کے بارے میں وزیراعظم کی ہدایتوں اور مشوروں کے مطابق عمل کرتا رہتا ہے۔

(۶) **سرپرستی**: وزیراعظم کے ہاتھ میں اہم عہدوں کا تقرر ہے، مثلاً سفیروں اور ولایتوں کے گورنر جنرل اور نوآبادیوں کے گورنروں کا تقرر اسی کی سفارش پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی عہدوں پر تقرر اسی کی سفارش سے ہوتا ہے۔ اعزازات اور خطابات بھی اس کی سفارش پر ملتے ہیں۔ اس طرح اسے سرپرستی کرنے کے بے شمار مواقع حاصل رہتے ہیں اور اس وجہ سے وہ غیر معمولی اثر کا مالک ہوتا ہے۔

(۷) **مختلف جماعتوں کا چیئرمین**: وزیراعظم اپنے عہدے کی وجہ سے امپیریل ڈیفنس کونسل اور دولت مشترکہ کانفرنس کمیٹی کا چیئرمین ہے اور اس حیثیت سے خاصے اثر کا مالک ہے۔ اس کے اختیارات کے بارے میں Marriot نے بالکل بجا کہا ہے کہ وہ برطانیہ کا سیاسی حکمران ہے۔ دنیا کی کسی دوسری مملکت کے سربراہ کو حتیٰ کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صدر کو بھی اتنے اختیارات حاصل نہیں جتنے کہ برطانیہ کے وزیراعظم کو حاصل ہیں۔ جب تک دارالعوام میں اس کی پارٹی کی اکثریت ہے وہ کسی بھی معاہدے پر دستخط کرسکتا ہے، کسی بھی قانون کو پاس کراسکتا ہے اور کتنی ہی رقم خرچ کرسکتا ہے۔ اسی طرح سے اس کے رسمی اختیارات بڑی حد تک کسی مطلق العنان حکمراں سے ملتے جلتے ہیں۔

گاھے گاھے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ **الجمعیۃ** نئی دہلی

۵/تا ۱۱/اگست ۲۰۰۵ء

بابری مسجد انہدام معاملہ

کیا مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جاسکے گا؟

بابری مسجد کی شہادت ہندستان کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ بابری مسجد کی شہادت کی ذمہ داری بھی لبراہن کمیشن نے طے کردی تھی مگر حکومتوں نے جس طرح بابری مسجد کی شہادت کے مجرموں کے خلاف کارروائی میں ڈھیل برتی اس سے یہ سوال لازمی ہے کہ کیا حکومت ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے گی۔ اس موضوع پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

۶/جولائی کو الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بینچ کے فیصلہ کے بعد بابری مسجد انہدام کیس کے وی آئی پی ملزموں کے خلاف مقدمہ آگے بڑھنے کا راستہ ایک بار پھر کھل گیا ہے لیکن یہ سوال شروع سے اب تک اپنی جگہ برقرار ہے کہ کیا یہ کیس اپنے منطقی انجام تک پہنچ سکے گا؟ اور کیا انہدام کے ملزموں کو ان کے کیے کی سزا مل سکے گی؟ بی جے پی اور این ڈی اے میں شامل پارٹیوں کے علاوہ تقریباً تمام سیاسی پارٹیوں نے کورٹ کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا ہے اور یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ عدالتی کارروائی میں جو رُکاوٹ آ گئی تھی وہ دور ہوجائے گی اور یہ طے ہوسکے گا کہ کون لوگ قصوروار ہیں اور انھیں کیا سزا دی جانی چاہیے جبکہ بی جے پی نے کورٹ کے فیصلہ کے بعد جو ردّعمل ظاہر کیا ہے اس سے بظاہر نہیں لگتا کہ پارٹی اس سے پریشان ہے لیکن اسے جھٹکا ضرور لگا ہے۔ مذکورہ عدالت میں دو طرح کی نظرثانی عرضیاں داخل کی گئی تھیں جن میں ایک تو حاجی محبوب احمد کی طرف سے تھی اور دوسری جمعیۃ علماء یوپی کی طرف سے حافظ محمد صدیق وغیرہ نے داخل کی تھی اور جن میں بی جے پی کے صدر مسٹر ایل کے اڈوانی کو الزام سے بری کرنے کے رائے بریلی کی خصوصی عدالت کے فیصلہ کو چیلنج کیا گیا تھا۔ یہ فیصلہ ۱۹/ستمبر ۲۰۰۳ء کو سنایا گیا تھا۔ عدالت نے اس نظرثانی کی عرضی کو اپنی منظوری دیتے ہوئے رائے بریلی کی عدالت کے فیصلہ کو غیر قانونی، غیر مناسب اور غیر منصفانہ قرار دیتے ہوئے رد کردیا اور معاملہ کی پھر سے سماعت کا حکم دیا ہے۔ اسی دن الٰہ آباد ہائی کورٹ نے ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی، مسٹر اشوک سنگھل، مسٹر آچاریہ گری راج کشور، مس اوما بھارتی، مسٹر ونے کٹیار، سادھوی رتھمبرا اور مسٹر وشنو ہری ڈالمیا کی نظرثانی عرضیوں پر بھی اپنا فیصلہ سنایا۔ ان ملزموں نے رائے بریلی کی خصوصی عدالت کے اس فیصلہ کو چیلنج کیا تھا جس میں انھیں انہدام کیس میں ملزم قرار دیا گیا تھا۔ ان لیڈروں نے عدالت کے سامنے یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب کیس کے ثبوت یکساں ہیں اور ان ثبوتوں کی بنیاد پر مسٹر اڈوانی کو بری کیا جاسکتا ہے تو انھیں کیوں بری نہیں کیا گیا۔ لیکن اب جبکہ الٰہ آبادی ہائی کورٹ نے مسٹر اڈوانی کو پھر سے ملزمین کے کٹھرے میں کھڑا کردیا ہے تو ان لیڈروں کی عرضیاں قابل قبول کیسے ہوسکتی تھی۔ چنانچہ ان کی عرضیاں بھی خارج کردی گئیں۔ اس طرح ہائی کورٹ کی ہدایت پر اب تمام ملزموں کے خلاف ۲۸/جولائی سے رائے بریلی کی خصوصی عدالت میں پھر سے سماعت شروع ہوگئی ہے۔ ہائی کورٹ نے مقدمہ کے تصفیہ میں غیر معمولی تاخیر پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے خصوصی عدالت کو ہدایت دی ہے کہ وہ سماعت میں تیزی لائے اور جلدی مقدمہ کا تصفیہ کرے۔ ہائی کورٹ نے اپنا فیصلہ سناتے وقت پیش کردہ ثبوتوں کی بنیاد پر جو رائے ظاہر کی ہے وہ کافی اہم ہے۔ بینچ نے کہا ہے کہ ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو یہ سارے لیڈر راجودھیا میں رام کنج پارک میں موجود تھے اور اپنی اشتعال انگیز تقریروں کے ذریعہ ڈھانچہ کو گرانے کے لیے کارسیوکوں کو اکسا رہے تھے۔ انھوں نے متنازعہ ڈھانچہ کو مغل حکمرانوں کی غلامی کی علامت بتایا اور یہ نعرہ لگایا تھا کہ "ایک دھکا اور دو بابری مسجد توڑ دو" جس کے نتیجہ میں وہاں موجود بھیڑ مشتعل ہوگئی اور اس نے فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے والی کارروائی کو انجام دیا۔ لہٰذا ان کے خلاف انڈین پینل کوڈ کی دفعہ ۱۴۷، ۱۵۳اے، ۱۵۳بی، اور ۵۰۵ (ا) (بی) کے تحت مقدمہ چلایا جانا چاہیے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ الٰہ آباد ہائی کورٹ میں جب بھی یہ مقدمہ گیا عدالت نے کبھی بھی الزام کو خارج نہیں کیا بلکہ ہر مرتبہ اس کو صحیح ٹھہراتے ہوئے مقدمہ چلانے کی بات کہی۔ اس سے قبل جب ہائی کورٹ نے تکنیکی بنیاد پر لکھنؤ کی خصوصی عدالت میں معاملہ کی سماعت پر روک لگائی تھی تو ملزمین کے خلاف استعمال کی گئی سازش کی دفعہ کے ساتھ متعدد دفعات کے استعمال کو صحیح ٹھہرایا تھا۔ البتہ یہ کہا تھا کہ اگر ریاستی حکومت معاملہ کی سماعت لکھنؤ کی خصوصی عدالت میں جاری رکھنا چاہتی ہے جہاں معاملہ کی دونوں ایف آئی آر کی مشترکہ چارج شیٹ داخل کی گئی تھی اور عام نیز وی آئی پی تمام ملزموں کو ایک ہی زمرے میں رکھا گیا تھا تو وہ نیا نوٹیفکیشن جاری کرے لیکن یہ نوٹیفکیشن نہ تو ریاست کی بی جے پی حکومت نے جاری کیا اور نہ ہی اس کے بعد بہوجن سماج پارٹی کی حکومت نے جاری کیا۔ بی جے پی کی حمایت سے حکومت میں آنے والی بہوجن سماج پارٹی نے تو لکھنؤ کی عدالت میں سماعت کی کھل کر مخالفت کرتے ہوئے اس معاملہ کو دو عدالتوں میں تقسیم کرنے کا کام بھی انجام دے ڈالا۔ وی آئی پی ملزموں کا معاملہ رائے بریلی کی سی بی آئی عدالت میں منتقل کرادیا جبکہ بقیہ ملزمین کا مقدمہ لکھنؤ کی خصوصی عدالت کے سپرد کردیا گیا تھا پھر بعد میں جب سماج وادی پارٹی اقتدار میں آئی تو اس نے بھی اس غلط قدم کی اصلاح نہیں کی۔ جیسے ہی معاملہ رائے بریلی کی عدالت میں منتقل ہوا اس وقت مرکز میں برسراقتدار این ڈی اے کو سی بی آئی پر دباؤ ڈال کر چارج شیٹ بدلنے اور کیس کو کمزور کرنے کا مزید موقع مل گیا۔ لکھنؤ کی خصوصی عدالت میں جو رویہ سی بی آئی کا تھا وہ رائے بریلی کی عدالت میں بالکل بدل گیا تھا۔ اس نے عدالت کے سامنے نہ صرف کیس کو ٹھیک ڈھنگ سے نہیں پیش کیا بلکہ مسٹر اڈوانی کو بری قرار دینے کے فیصلے کی مخالفت بھی نہیں کی اور اسے ہائی کورٹ میں بھی چیلنج نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ این ڈی اے نے اپنی حکومت میں اس کیس سے متعلق ایجنسی کی لیگل ٹیم ہی بدل دی تھی۔

جب مرکز میں یوپی اے حکومت بنی اور حکومت نے ایجنسی کی پرانی لیگل ٹیم بحال کی تو سی بی آئی کا رویہ بھی بدل گیا۔ وہ پرانے رنگ میں آ گئی۔ اس نے ہائی کورٹ میں نظرثانی کی عرضیوں پر ملزمین کے خلاف پختہ ثبوت پیش کیے اور اپنی بات ٹھیک ڈھنگ سے رکھی۔ اس کی وجہ سے ملزمین پھر عدالتی چکر میں پھنس گئے۔ اجودھیا میں انہدام کیس میں اب تک جس طرح کی سیاست کی جاتی رہی ہے، ایجنسی پر دباؤ ڈال کر کیس کو متاثر کیا جاتا رہا ہے اور قانونی داؤ پیچ میں کیس کو اُلجھایا جاتا رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ کیس کب تک اپنے انجام تک پہنچ سکے گا اور اگر بی (باقی صـ۱۴ پر)

عالمِ اسلام

سعودی عرب: گھریلو ملازمین کا دو سال کیلئے انشورنس کرانا لازمی قرار

خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبد العزیز کی زیر صدارت کابینہ کا آن لائن اجلاس ہوا جس میں ملکی اور بین الاقوامی معاملات کا جائزہ لیا گیا اور متعدد اہم فیصلے کئے گئے ہیں۔سعودی پریس ایجنسی کے مطابق کابینہ نے فیصلہ کیا ہے کہ ریکروٹنگ کمپنیاں بیرون ملک سے لائے جانے والے گھریلو ملازمین کی انشورنس کرانے کی پابند ہیں۔انشورنس اخراجات ملازم لانے کے مجموعی اخراجات میں شامل کئے جائیں گے نیز یہ انشورنس دو سال تک کرنا ہوگا۔بعدازاں دو سال گزرنے پر کفیل کو اختیار ہے کہ وہ انشورنس جاری رکھے یا ختم کردے۔کابینہ نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ تمام سرکاری محکموں میں مستقل اور غیر مستقل ملازمین کے علاوہ وہ افراد بھی جو جزوقتی طور پر کام کرتے ہیں خواہ ان کے کام کی مدت کچھ بھی ہو، انہیں سوشل انشورنس میں شامل کیا جائے گا۔

دنیا میں کورونا قواعد میں تبدیلیاں سعودیوں کیلئے باعث تشویش

دنیا کے مختلف ممالک میں کووڈ-۱۹ کے حوالے سے کئے جانیوالے اقدامات میں مسلسل تبدیلی کا عمل دیگر مسافروں سمیت ویکسین لگوانے والے سعودیوں کے لئے بھی مسائل کا سبب بن سکتا ہے۔عرب نیوز کے مطابق کورونا ویکسین لگوانے والوں کو ۱۷ مئی سے بیرون ملک جانے کی اجازت دینے کا باضابطہ اعلان ایسے بہت سے سعودیوں کے لئے راحت کا باعث بنا جو کووڈ کی عالمی وبا کی وجہ سے کہیں آنے جانے سے جبراً قاصر تھے۔دنیا بھر کے کئی ممالک میں باہر سے آنے والے مسافروں کو قرنطینہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے اس کے اضافی اخراجات بھی مسافر کے لئے تشویش کا سبب بنتے ہیں۔بعض سعودی نوجوانوں کا کہنا ہے کہ وہ رواں موسم گرما میں گھر پر رہنے کو ہی ترجیح دیں گے۔ایک مالی تجزیہ کار طلعت ذکی حافظ نے کہا کہ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ کسی فوری کاروباری ضرورت یا کسی خاندانی ناگزیر مسئلے کے سوا بیرون ملک اور خاص طور پر کورونا وبا کا شکار ممالک کا سفر نہیں کرنا چاہئے۔طلعت حافظ نے کہا کہ وبا سے بری طرح متاثر ممالک کا غیر ضروری سفر مسافروں کو کووڈ سے متاثر کرسکتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں مناسب طبی امداد نہیں مل سکتی۔سعودی حکومت کسی بھی قومیت سے قطع نظر کووڈ ۱۹ سے متاثر تمام افراد کو مفت علاج مہیا کرتی ہے۔ایسی سہولت بعض دیگر ممالک میں میسر نہیں۔

حرم مکی میں تعمیر اور ترمیم کے ساٹھ منصوبوں کیلئے لائسنس جاری

حرم مکی شریف میں تیسرے سعودی توسیعی منصوبے میں تعمیرات وترمیم کے لیے ساٹھ لائسنس جاری کئے گئے ہیں۔سبق ویب سائٹ کے مطابق حرمین انتظامیہ کے تحت تعمیرات کے شعبے نے کہا ہے کہ مختلف ٹھیکیداروں کو تعمیر اور ترمیم کے کام کی اجازت دی گئی ہے۔حرم مکی میں زائرین کی گنجائش بڑھانے اور بہتر خدمات فراہم کرنے کے لیے جن منصوبوں پر کام ہورہا ہے ان میں باب ملک عبد العزیز، باب العمرہ اور باب الفتح شامل ہیں۔علاوہ ازیں مطاف والی عمارت کی چھت، دوسری منزل اور بنیادی ڈھانچے کے علاوہ برقی سیڑھیاں اور مختلف خدمات فراہم کرنے والے مقامات میں مرمت کا کام شروع ہوگیا ہے۔ادارے نے کہا ہے کہ تمام منصوبے حج ۱۴۴۲ھ کی تیاری کے تحت ہیں تاکہ زائرین کو بہترین خدمات فراہم کی جائیں۔

اسلام میں خودکشی کی مذمت اور ہمارا معاشرہ

تحریر: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

اس کائنات رنگ و بو میں ہر انسان کو خوشی ومسرت، سکون وراحت اور تن درستی وصحت کے ساتھ ساتھ تکلیف ومصیبت، پریشانی وآفت اور بیماری ومشقت سے بھی واسطہ پڑتا ہے، اور یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں؛ جس پر بندۂ مومن کو کامل یقین اور مکمل اعتماد ہونا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے ہمیں اس کے سوائے کوئی اور تکلیف پہنچ ہی نہیں سکتی۔(توبۃ:۵۱)۔حالات موافق وسازگار ہوں یا مخالف وناسازگار دونوں صورتوں میں ایک ایمان والے کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ قرآن وحدیث میں اس حوالے سے بھرپور رہنمائی موجود ہے۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔اس کے ہر کام میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔اگر اسے آسودہ حالی ملتی ہے اور اس پر وہ شکر کرتا ہے تو یہ شکر کرنا اس کے لیے باعث خیر ہے اور اگر اسے کوئی تنگی لاحق ہوتی ہے، وہ اس پر صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا بھی اس کے لیے باعث خیر ہے۔“(صحیح مسلم)

اس روایت میں رسول اللہؐ نے پسندیدگی کے طور پر مومن کے حال پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے؛ کیوں کہ وہ بدلتے حالات اور دنیاوی اتار چڑھاؤ میں خیر وفلاح اور کامیابی کا مستحق بن سکتا ہے اور یہ خیر صرف اور صرف مومن ہی کو حاصل ہے۔پھر نبی پاکؐ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی مقدر فرمایا ہے۔اگر اسے کوئی تنگی ومصیبت پہنچتی ہے اور وہ اللہ کی تقدیر پر صابر، اس کی طرف سے کشادگی کا منتظر اور اس سے اجر وثواب کا امیدوار رہتا ہے، تو یہ بات اس کے لیے باعثِ خیر ہوتی ہے۔نیز اگر کوئی خوش کن بات پیش آتی ہے مثلاً کوئی دینی نعمت کا حصول ہوتا ہے، جیسے علم یا عمل صالح یا پھر کوئی دنیوی نعمت ملتی ہے، جیسے مال، اولاد اور جائیداد وغیرہ اور وہ اس پر شکر گزار ہوتا ہے، بایں طور کہ اللہ عز وجل کی اطاعت پر کاربند رہتا ہے اور زبان ودل سے اس کی حمد بیان کرتا ہے، تو یہ بات بھی اس کے لیے باعثِ خیر ہوتی ہے۔

خودکشی کیاہے؟

خودکشی، بزدلی اور کم ہمتی کی دلیل ہے، یہ کمزور ومایوس لوگوں کے لیے زندگی کے مسائل ومشکلات، آزمائشوں اور ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقہ ہے، بدقسمتی سے اس وقت پوری دنیا کے محروم القسمت لوگوں میں اپنی ذمہ داریوں سے بے اعتنائی اور ایمان سے محرومی یا کمزوری کے باعث خودکشی کا رجحان آئے دن بڑھتا جارہا ہے، مغربی ممالک میں تو اخلاقی اور سماجی نظام کے انتشار کے سبب خودکشی کے واقعات کا تناسب اتنا بڑھ گیا ہے کہ اب یہ آواز اٹھائی جارہی ہے کہ خودکشی کو انسان کا نجی حق تسلیم کیا جائے۔

چنانچہ عالمی ادارہ صحت (WHO) کے اعداد وشمار کے مطابق دنیا میں ہر سال دس لاکھ انسان خودکشی کرتے ہیں، خودکشی کی یہ شرح ایک لاکھ افراد میں 16 فی صد بنتی ہے، اس حساب سے دنیا میں ہر ۴۰ سیکنڈ بعد ایک شخص خودکشی کرتا ہے، دنیا کی کل اموات میں خودکشی کے باعث ہونے والی اموات کی شرح ایک عشاریہ آٹھ فی صد ہے۔ایک سروے کے مطابق اس شرح میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔صرف بھارت اور چین میں پوری دنیا کی خودکشیوں کی 30 فی صد اموات واقع ہورہی ہیں جو بہت زیادہ تشویش کی بات ہے۔

زندگی اور اس کے مسائل کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر موجودہ مغربی اور ہندووانہ نقطہ نظر سے بنیادی طور پر مختلف ہے، وہ اس دعویٰ ہی کو تسلیم نہیں کرتا کہ انسان اس دنیا میں کسی بھی چیز کا حتی کہ اپنی ذات کا مطلق مالک ہے اور وہ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرسکتا ہے۔اس کے نزدیک یہ پوری دنیا اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور وہ اسے چلا رہا ہے؛ اس لیے وہی اس کا حقیقی مالک بھی ہے۔اس دنیا میں انسان خود سے نہیں آیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اس کے لیے سامان زیست فراہم کیا ہے۔اس لیے وہی اس کی ذات پر مالکانہ اقتدار بھی رکھتا ہے۔انسان اپنی ذات یا اپنے کسی اقدام کے بارے میں کوئی آزادانہ فیصلہ نہیں کرسکتا، ورنہ اس کی حیثیت اس مجرم کی ہوگی جو دوسرے کی چیزوں کو اپنی مرضی سے استعمال کرے اور ان کے بارے میں فیصلے صادر کرتا پھرے؛ لہٰذا انسان کو یہ فیصلہ کرنے کا حق ہی نہیں ہے کہ اسے کب تک دنیا میں رہنا ہے اور کب یہاں سے کوچ کرنا ہے، جس نے زندگی دی ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ زندگی کب واپس لی جائے گی۔

کلام الٰہی میں خودکشی کی ممانعت

اللہ کے نزدیک کسی انسان کی جان کتنی محترم ہے اور اس کا وجود اس دنیا میں کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کردیتے تھے؛ تاکہ وہ ان کی پرورش کے بوجھ سے آزاد رہیں؛ مگر اسلام نے نہ صرف اس کی مخالفت کی بلکہ اس فعل کو حرام قرار دیا اور فرمایا: ”اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے ہم ہی روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بھی، بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے“(بنی اسرائیل:۳۱)

ایک اور مقام پر اسی بات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:"اور اپنی اولادوں کو مال میں کمی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی“(انعام:۱۵)

دونوں آیتوں میں الگ الگ دو طرح کے لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے۔ایک وہ ہیں جو فی الحال مفلس تو نہیں ہیں؛ مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہوں گے تو ان کو کہاں سے کھلائیں گے؛ جب کہ دوسرے طبقہ کو جو فی الحال مفلس ہے عیال سے پہلے ہی اپنی روٹی کی فکر دامن گیر ہوگئی ہے؛ اس لیے ایک جگہ خشیۃ املاق اور دوسری جگہ من املاق کے ذریعہ خبردار کیا گیا کہ تم کو رزق کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی۔

اسی طرح صراحتاً ایک مقام پر خودکشی سے منع کرتے ہوئے فرمایا" تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو" (النساء: ۲۹) دوسری جگہ فرمایا: تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو(البقرۃ:۱۹۵) اس طرح کے اور بہت سے احکام قرآن مجید میں موجود ہیں جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان کو اس بات کا اختیار ہی نہیں ہے کہ کب اپنی جان لے، ہاں انسان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں کوئی تصرف نہ کرے۔

احادیث رسول میں خودکشی کی مذمت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کے تعلق سے وعید کے بیان میں جو انداز اختیار کیا ہے وہ سخت تہدید پر مشتمل ہے، فرمایا:”جس نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا، وہ دوزخ میں بھی گلا گھونٹے گا، اور جس نے نیزہ مار کر اپنے آپ کو ہلاک کیا اسے دوزخ میں بھی اسی طرح اپنے آپ کو نیزہ مارنے کا عذاب دیا جائے گا۔“(کنزالعمال) یعنی خودکشی کی بناء پر مصائب ومشکلات سے چھٹکارا نہیں ملے گا؛ بلکہ دنیا میں جس چیز سے اور جس انداز سے خودکشی کرے گا آخرت میں اسی انداز کا عذاب دیا جائے گا؛ جسے جزا من جنس العمل کہا جاتا ہے۔

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسیؓ کے ساتھ ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی مدینہ طیبہ ہجرت کی، یہاں یہ دوسرے شخص بیمار پڑ گئے، تکلیف کی شدت کے باعث ان سے صبر نہ ہوسکا اور انہوں نے ایک ہتھیار سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ لیے، رگیں کٹ گئیں اور خون اتنا بہہ گیا کہ انتقال ہوگیا، حضرت طفیلؓ نے بعد میں ان کو خواب میں دیکھا کہ ایمان پر خاتمہ اور ہجرت کی وجہ سے بہتر حالت میں ہیں؛ مگر ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ان سے خواب میں پوچھا کہ ”آپ کے رب نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟“ ان صاحب نے کہا:”اللہ تعالیٰ نے ایمان اور ہجرت کی برکت سے مجھے معاف کر دیا، مغفرت تو ہوگئی، لیکن میرے ہاتھوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ ”جس چیز کو تم نے خود بگاڑ لیا ہے میں اسے درست نہیں کرتا“ حضرت طفیلؓ نے یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:”یا الٰہی! ان کے ہاتھوں کو بھی معاف فرما۔“(مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی کرنا اگرچہ سنگین جرم اور بہت ہی سخت گناہ وعذاب کا باعث ہے؛ لیکن خودکشی کرنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہوتو اس کی معافی اور بخشش ہوجائے گی اور خودکشی کرنے والے کیلئے دعاءِ مغفرت وایصال ثواب بھی کرنا چاہیے، بلکہ وہ اس کا بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے۔

خودکشی کے اسباب اور ان کا سدباب

یہ سچ ہے کہ حوادث زمانہ کا ظہور ہر شخص کے حق میں یکساں نہیں ہوتا، کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو بڑی سی بڑی تکلیف بھی برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ معمولی حادثے سے پریشان ہوکر جزع فزع پر اتر آتے ہیں۔مگر زندگی کے سفر میں کامیاب شخص وہ ہے جو ہمت وحوصلے کے ساتھ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اور دل ہارنے کے بجائے پامردی واستقلال کا ثبوت پیش کرے۔

غور کیا جائے تو مسلمانوں میں خودکشی کی بڑھتی ہوئی شرح کے اسباب میں ایک اہم و بنیادی سبب اسلام اور اسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈال کر ان کے گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔جو لوگ آزمائش میں پورا اترتے ہیں وہ اللہ کی رحمتوں کے سائے میں آجاتے ہیں اور جو ناکام ہوجاتے ہیں وہ خودکشی کو راہِ نجات سمجھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اپنا دنیاوی نقصان کرتے ہیں؛ بلکہ اپنی آخرت بھی تباہ وبرباد کرلیتے ہیں۔انسان کو اللہ پر مکمل بھروسہ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سب تکلیفوں اور مصیبتوں کو ختم کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ایسے حالات میں سماج کے سربرآوردہ افراد، والدین اور سرپرستوں کا کلیدی رول ہوتا ہے کہ وہ پریشان حالوں کو سمجھائیں، انہیں حوصلہ دیں اور ان کی ہر ممکن اعانت کریں؛ تاکہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کریں۔

ویسے تو خودکشی کے مختلف اسباب وعلل ہوسکتے ہیں؛ جن میں چند یہ ہیں: معاشی مشکلات، رشتوں کی ناچاقی واختلافات، ظلم و بدسلوکی، تشدد وبے راہ روی، حقوق کی پامالی، جہیز اور ناجائز مطالبات کا رواج-وغیرہ

ہم مانتے ہیں کہ حالات کے ستائے ہوئے افراد ہی خودکشی کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں؛ لیکن یہ زندہ حقیقت ہے کہ اس کا واحد حل "صبر وثبات" اور "قوت برداشت" ہے۔اور سب سے عظیم قوت صبر والوں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے۔ایسے انعام سے منھ موڑ کر جہنمی عمل کو گلے لگانا کتنی کم ظرفی اور کیسی محرومی کی بات ہے۔اس رُخ سے بھی معاشرے کے مرد وخواتین کو غور کرنا چاہیے۔ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، صبر وشکر والوں کے لیے انعاماتِ خسروانہ کی بشارتیں موجود ہیں۔آخرت کی فلاح سے منھ موڑ لینا خلافِ عقل بات ہے؛ اس لیے خدارا! کسی بھی قدم کو اٹھانے سے پہلے یہ غور کرلیں کہ اس میں آخرت کا نفع ہے یا نقصان، اور اللہ و رسول کی رضا ہے یا ناراضی۔

خلاصۂ کلام:

یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور ہمارا پورا وجود اسی کی امانت ہے، اور ممکنہ حد تک اس کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری اور اسلامی، فطری، اخلاقی اور انسانی فریضہ ہے، فقہی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ انسانی جان ربِ کریم کی عطا کی ہوئی ایک ایسی امانت ہے جس کا تحفظ بہر صورت لازم اور ضروری ہے، مصائب و مشکلات کی اندھیریاں ہوں یا مجبوریوں اور ناامیدیوں کی تاریکیاں، اس عظیم امانت الٰہی کو خودکشی کے ذریعہ لمحوں میں ضائع کردینا نہ تو اسلام میں جائز ہے، نہ انسانیت کی نظر میں مستحسن ہے، اسی لیے ایسے کسی بھی عمل کی اسلام میں اجازت نہیں جو بے مقصد ہو، صحت یا زندگی کے لیے مضرت رساں ہو اور انسانی وجود اور زندگی کو خطرہ میں ڈال سکتا ہو، بلکہ جان بچانے کے لیے بوقت ضرورت اور بقدرِ ضرورت ایسی چیزوں کے استعمال کی بھی اجازت دی گئی ہے جو اصلاً ناجائز اور حرام ہیں۔

پھر انسان کے لیے من جانب اللہ اس کے جسم وجان کی حفاظت کے لیے جو اسباب مہیا ہیں ان کی مثال کسی مخلوق میں نہیں ملتی، اس کے باوجود اگر کوئی اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے تو یہ ایسا جرم ہے جو دنیا اور عقبیٰ دونوں میں مجرم کو محروم کردیتا ہے اور کہیں کا نہیں رہنے دیتا۔□□

خودکشی، بزدلی اور کم ہمتی کی دلیل ہے، یہ کمزور ومایوس لوگوں کیلئے زندگی کے مسائل و مشکلات، آزمائشوں اور ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کا ایک غیر اسلامی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقہ ہے، بدقسمتی سے اس وقت پوری دنیا کے محروم القسمت لوگوں میں اپنی ذمہ داریوں سے بے اعتنائی اور ایمان سے محرومی یا کمزوری کے باعث خودکشی کا رجحان آئے دن بڑھتا جارہاہے۔

مدارس اسلامیہ کے تحریری مسابقے
چند حقائق

تحریر: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

یہ حقیقت ہے مدارس اسلامیہ اردو زبان کی حفاظت میں بڑا کردار ادا کر رہے ہیں، اردو زبان کے تحفظ میں شعراء، ادباء وغیرہ کے کردار سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جو روز روشن کی طرح عیاں وبیان ہے؛ لیکن اس وقت اردو کے تحفظ اور بقاء کا بڑا دارو مدار ان مدارس اسلامیہ عربیہ کے رہینِ منت ہے، اس لئے کہ مدارس عربیہ میں اردو ذریعہ تعلیم رائج ہے، ابتداء اردو زبان پر عبور اور قدرت کے بعد ہی عربی کتابیں بترجمہ پڑھائی جاتی ہیں، افہام وتفہیم بھی اردو زبان میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اردو زبان میں طلباء کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے مدارس میں یہ نظام رائج ہے کہ دیواری پرچے نکالے جاتے ہیں، سال کے آخری میں تمام مدارس اسلامیہ میں اردو تحریری مسابقے بھی طلباء کے درمیان منعقد کئے جاتے ہیں، طلباء کی ہمت افزائی کی جاتی ہے، مسابقت کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے بحیثیت ممتحن بعض مدارس اسلامیہ کے تحریر مقابلوں کے نمبرات دینے اور مضامین کے مواد، اندازِ تحریر، الفاظ وتعبیرات کے استعمال کے اعتبار سے جانچنے اور پرکھنے کا مواقع ملے، بعض مدارس کے بسا اوقات اور کچھ مدارس کے ہمہ وقت ہر سال اردو تحریری مسابقوں کے پرچے جانچنے کے مواقع ملتے رہے، لیکن یہی طلباء جن میں ہر سال بعض طلباء کی بڑی تعداد وہ ہوتی ہے جن کی تحریری صلاحیت، انداز کتابت نہایت، شستہ اور شگفتہ ہوتا ہے، انداز بیان بھی خوب ہوتا ہے، مضمون کی ترتیب وتدوین بھی لائق دید ہوتی ہے، مضمون کو عنوان درعنوان پیش کر کے مختلف شقوں میں تقسیم کے بعد مواد کو مرتب کرنے کا انداز بھی بہت لائق تحسین ہوتا ہے، نہ صرف یہ آئندہ چل کر اردو زبان، اسلامی تاریخ، دین اسلام اور ملت بیضاء کے تحفظ کے لئے اپنی قلمی صلاحیتوں کو استعمال کر سکتے ہیں، بلکہ ان کا تحریری میدان میں بڑا رول ہوسکتا ہے، عصری تعلیمی اداروں میں بھی اردو زبان کے مستقل شعبے ہیں، وہاں پر بھی بڑے تحقیقی اور تاریخی کام انجام دیئے جاتے ہیں، اردو کی خدمت مختلف زاویوں سے ہوتی ہے، تاریخ اسلام کو بڑی خوبی سے پیش کرتے ہیں، لیکن علماء کی عظیم ذمہ داری کے نتیجہ میں تحریر کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، تحریر کا اثر پائیدار اور خوب تر ہوتا ہے، اس تناظر میں جب کہ مدارس اسلامیہ میں تحریری مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں اور طلباء کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کا کام کیا جاتا ہے اور یہ کام بڑی خوبی کے ساتھ کیا جاتا ہے، طلباء باصلاحیت بھی ہوتے ہیں، ان کا انداز تحریر بھی خوب ہوتا ہے، لیکن ضرورت ان کی صلاحیتوں کو مزید نکھارنے اور اس تحریری خوبی کو جلا بخشنے کی ہوتی ہے۔ تحریری میدان میں دوام واستقلال کی ہوتی ہے۔ یہاں پر میں چند حقائق اور تجاویز کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) جس طرح خطابت کا اثر، اس کا دائرۂ کار اور اس کی خوبی مسلم ہے، اس کی اثر انگیزی اپنی جگہ قائم ودائم ہے، کتابت وتحریر کا اثر بھی دور رس اور پائیدار ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ تحریر کی پائیدای، استقلال، اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نگاہ ہونے کے باوجود اس جانب اس قدر توجہ نہیں کی جاتی، جس قدر اس حوالہ سے توجہ، دلجمعی اور اعتناء کی ضرورت ہے، اگر ہزاروں سالوں پر مشتمل کتابیں جن کا مطالعہ آج ہم کرتے ہیں، ان علماء، فضلاء، محققین، مصنّفین کی خدمات تحریری شکل میں مرتب ومدون نہ ہوتیں تو ہم دینی علوم وفنون، اصلاح وارشاد، تاریخ وسوانح کے حوالے سے ان کی کتابوں کی آج ہم کہاں ورق گردانی کرتے ہوتے؟ اس لئے تحریر وکتابت کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے، تا کہ ہم فارغین کی ایک بڑی تعداد تحریر وتصنیف سے اپنے آپ کو منسلک کر سکے، اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کو دوام اور ہمیشگی بخش سکے، اپنی تدریسی، دینی، اصلاحی خدمات کے ساتھ اس میدان کو بھی اپنی خدمات سے تہی دامن نہ رہنے دے، ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ کل اور مستقبل کے بڑے مصنف اور قلم کار ہوسکتے ہیں، جن کی تحریریں صدیوں تک قابل استفادہ، لائق اعتناء سمجھی جاسکتی ہوں۔

(۲) یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کے سطح پر اردو صحافتی دنیا میں مدارس اسلامیہ کے فارغین کا بڑا کردار رہا ہے، اس وقت بھی مدارس اسلامیہ کے فارغین کا ایک بڑا طبقہ اردو صحافت کے ساتھ لگا ہوا ہے، اردو صحافتی خدمت میں ہمہ تن مصروف عمل ہے، سب سے پہلی بات تو یہ کہ مدارس اسلامیہ سے بڑے تعداد میں ماہنامے شائع ہوتے ہیں، جو ان کی اردو صحافتی خدمات کو سراہتی اور بتاتی ہیں، جن میں ار العلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مظاہر العلوم، شاہی مرادآباد، جامعہ نظامیہ اور دیگر بڑے چھوٹے مدارس میں بڑے پیمانے پر اردو مجلّات، جرائد اور ماہناموں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے، جن میں ماہنامہ دارالعلوم، ماہنامہ شاہی مرآدآباد، ارمغان پھلت، تعمیر حیات، آئینہ دارالعلوم، سہ ماہی بحث ونظر، محدث عصر، اشرف الجرائد، پیام رحمانیہ، ضیاء علم، ماہنامہ الفرقان، ہفت روزہ جمعیۃ، سہ روزہ دعوت، معارف دارالمصنّفین، پیام عرفات، مظاہر العلوم، آئینہ مظاہر العلوم، زندگی، ماہنامہ ندائے صالحین وغیرہ بڑے چھوٹے دیگر رسائل وجرائد کی ایک بڑی تعداد ہے، جو اردو صحافت اور اسلامی اخلاق وروایات کے تحفظ میں ہمہ تن مصروف عمل ہے۔

اس وقت فارغین مدارس کا نوجوان طبقہ خصوصاً مضمون نگاری، تحریر نویسی، کتابت وصحافت میں پیش پیش نظر آتا ہے ، یہ بڑی خوش آئند بات ہے ، یہ ان کے روشن اور تابناک مستقل کی علامت ہے اور یہ مدارس اسلامیہ سے فارغین کی علمی، دینی، تحقیقی جستجو اور جدوجہد کا آئینہ دار ہے ، اس کہ اہمیت ا س لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جس طرح خطابت اپنے اندر ایک تاثیر لئے ہوتی ہے۔

(۳) دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس وقت فارغین مدارس کا نوجوان طبقہ خصوصاً مضمون نگاری، تحریر نویسی، کتابت وصحافت میں پیش پیش نظر آتا ہے، یہ بڑی خوش آئند بات ہے، یہ ان کے روشن اور تابناک مستقل کی علامت ہے اور یہ مدارس اسلامیہ سے فارغین کی علمی، دینی، تحقیقی جستجو اور جدوجہد کا آئینہ دار ہے، اس کہ اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جس طرح خطابت اپنے اندر ایک تاثیر لئے ہوتی ہے، قوموں کی رخ اور دھاروں کے بدلنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہے، تحریر بھی پیغام رسانی، ابلاغی وترسیلی آلہ ہے جس کے ذریعہ سے دینی، علمی، تحقیقی، تالیفی کاموں کے ذریعہ نہ صرف تاریخ، روایات واقدار اور صحافت کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے، نسلوں کی تہذیب وثقافت، ان کے تشخص کا تحفظ کیا جاسکتا ہے، بلکہ قوموں کے افکار وخیالات میں انقلاب بپا کرنے کا ایک موثر اور کامیاب ذریعہ بھی تحریر ہی ہے، آج بھی بڑے بڑے مصنّفین اور محققین کی کتابیں درسیات میں پڑھائی جاتی ہے، اشعار واخبار اور علوم وفنون سے معمور کتابیں ہاتھوں در ہاتھوں ہزاروں صدیوں سے لگاتار محفوظ وما مون ہیں، گردشِ زمانہ کی وجہ سے وہ ناپید نہیں ہوئیں۔ چونکہ ماہناموں مجلّات وجرائد کی طباعت اور اس کی نشر واشاعت ایک بڑی محنت اور صرفہ کی طالب ہوتی ہے، اس لئے نوجوان فضلاء کی اس وقت بڑی تعداد نے موجودہ ضرورت کے موافق سوشل میڈیا کے فلیٹ فارم سے ویٹ سائٹس کو فروغ دیا ہے، جن میں سرفہرست، بصیرت آن لائن، ملت ٹائمز، عصر حاضر، فکر وخبر، الہلال میڈیا، قندیل اور راہ اسلام ڈاٹ کام جیسے بے شمار سائٹس ہندوستانی کی سطح پر دینی، وعلمی، وصحافتی اور فکری کام کی انجام دہی میں رات ودن مصروف عمل ہیں۔ ان سائٹس کا نقدی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے کسی بھی بات کو بغیر کل کے انتظار کے بر وقت شائع کرنے، کسی بھی مضمون یا خبر کو فی الفور نشر کرنے میں یہ بڑے معاون اور مددگار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس وقت ملک کے بڑے اخبارات میں مضامین کی ایک بڑی تعداد مدارسین کے فارغ کی ہوتی ہے، جن میں مذہبی، سماجی، سیاسی، تاریخی، ثقافتی مضامین شامل ہوتے ہیں۔

۳۔ آج اس وقت جب کہ ہمارے مسلم سماج کی ایک بڑی تعداد خصوصا نوجوان نسل اردو زبان سے نابلد ہے، جب کہ بزرگوں کی بڑی تعداد بلکہ پرانا عوامی طبقہ کی اردو زبان کے حوالے ان کی یہ صورتحال ہے کہ علاقہ اقبال وغیرہ کے اشعار ان کے زبان زد ہوتے ہیں، وہ بڑی سلیس، ستھری اور پیاری زبان بولتے ہیں اور اردو کی مہذب، شائستہ وشستہ زبان بولنے کو فخر سمجھتے ہیں، لیکن نوجوان نسل الا ماشاء اللہ یہ صورتحال ہے کہ ان کی اکثریت اردو زبان سے بالکل ناواقف، اپنی مادری زبان سے کوسوں دور اور اپنی دینی زبان سے بالکل تہی دامن ہے، ایسے وقت میں اردو زبان کے تحفظ کے حوالے سے فارغین مدارس کی اردو کی تعلیم وتعلّم کے حوالے سے مکاتب، مساجد اور مدارس میں چھوٹے چھوٹے کلاسوں کے ذریعہ اردو کے فروغ میں اپنی حصہ داری بڑی خوب تر بات ہے، جس کو بلا جھجک تسلیم کرنا چاہئے۔

(۴) لیکن مدارس اسلامیہ کی ایک کمی یہ بھی ہے کہ ضرور ان کے یہاں دینی ماہنامے موجود ہیں، دیواری پرچوں کی شکل میں اردو زبان میں مہارت، رسوخ کے حوالے سے جدوجہد کی جاتی ہے، لیکن اردو ادب کے حوالے سے حقیقی تعلیم، خارجی مطالعہ کی اہمیت پر زور، اردو زبان وادب کی راہ شناسی، رہنمائی، اردو ادیبوں کی کتابوں رہبری، ادباء کا تعارف، زبان کے معیار، نشیب وفراز کے حوالے سے زیادہ شعور بہم نہیں پہنچایا جاتا ہے، جس کو جستجو اور تلاش ہوتی ہے، جس کو اردو زبان میں مہارت کا جذبہ اور مافی الضمیر کی ادائیگی، تحریر میں شائستگی اور خوبی پیدا کرنا ہوتا ہے، وہ اپنی محنت وجستجو سے مطالعہ کر کے اپنے اردو زبان کتابت وتحریر کو فروغ دینے میں لگ جاتا ہے، اس سے بالکل انکار نہیں ابتدائی اردو کی محنت برابر ہوتی ہے، لیکن اردو زبان کی انتہاء اور آخری منزل تک طلباء کی رسائی کے لئے دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند اکیڈمی، معہد العالی الاسلامی کی طرح تحقیق وتخریج کے کاموں کی سخت ضرورت ہے، ورنہ علماء کا ایک طبقہ جو اردو زبان وبیان وکتابت پر کلی قدرت رکھتا ہے، ان کے ذوق کو مہمیز نہیں کیا جاسکتا، ان کی رہنمائی اور رہبری نہیں کی جاسکتی، ان کی تحریری صلاحیتیں ان کے اندر ہی دفن ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لئے طلباء مدارس اور اولیاء مدارس سے یہ گذارش ہے کہ طلباء اردو ذوق نگارش کو دائمی اور ابدی طور پر باقی رکھنے پر زور دیا جائے۔

(۵) یہ ایک حقیقت ہے کہ زمانے کے گذرنے کے ساتھ زبان وبیان میں تھوڑی سی تبدیلی اور تغیر ضرور آتا ہے، ہر زمانے کی اپنی ضروریات ہوتی ہیں، اس کے پیش نظر گذشتہ تحریروں کو نئے انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، طلباء مدارس، فضلائے مدارس کی ایک کمی یہ ہوتی ہے کہ یہ دینی واصلاحی اور سیاسی مضامین پر تو خوب لکھتے ہیں، لیکن سوانح اور تاریخ پر ان کی نگاہ کم ہوتی ہے، حالانکہ سوانح اور سیر پائیدار، پائندہ اور زندہ ہوتے ہیں، سوانح نگاری کی شکل میں قوموں کی تاریخ، ان کے اثاثے اور ان عروج وزوال کی کہانیوں کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ اس لئے سوانح نگاری، تاریخ نگاری پر زیادہ زور دیا جائے، صرف انہیں اسلامی مضامین کو بار بار ہر سال کے آنے پر اسی کو لکھتے رہنا وقتیہ ضرورت تو ہوسکتی ہے، لیکن اس کا نفع دیرپا اور پائیدار اور مستقل نہیں ہوتا، کالج اور یونیورسٹیوں میں عموما، کتابوں کے تعارف، مصنّفین کے احوال، ان کے کارناموں، قوموں اور ملکوں کی تاریخ، سوانح حیات جیسے موضوعات پر کام کئے جاتے ہیں، دارالمصنفین کی کتابوں کی مقبولیت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عربی مصادر کے ساتھ قوموں، ملکوں، نسل انسانیت کی عروج وزواج کی تاریخ کو بتاتی ہیں، سوانح وسیر اور تاریخ نگاری کی شکل میں بھی دین کی تبلیغ وترویج، اصلاح وارشاد کا کام بڑی خوبی سے انجام دیا جاسکتا ہے۔ تحریر کا کمال یہ ہے کہ جب اس کی چاشنی اور لذت ہر خشک وتر ہر مضمون کے لکھنے کے وقت میں اس کی وہی تازگی باقی وبرقرار رہے، جو بہت سارے موجودہ علماء کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہے، کہ ہر وقت جب بھی فقہ، حدیث، تفسیر، علوم تاریخ جس پر بھی خامہ فرسائی کرتے ہیں، زبان کی چاشنی اور لذت ان کے قلم سے جدا نہیں ہوتی ہے، جو قاری کو اکتاہٹ سے بچا کر اس کو ہمہ تن تحریر میں مشغول کئے رہتی ہے، یہ وہ تحریری لیاقت ہوتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے، قاری کی توجہ کو مبذول کرنے میں کامیاب ہوتی ہے، بسا اوقات مواد کے نہ ہوتے ہوئے بھی بعض تحریروں میں الفاظ کی بندش، پیشکش کا طریقہ، بات کو کہنے کا سلیقہ اس طرح ہوتا ہے، صرف الفاظ کی خوبی میں الجھ کر انسان کر انسان مواد کے نہ ہونے کے باوجود اس تحریر کے پڑھنے پر مجبور ہوجاتا ہے، اس کی کہ تھوڑی سی بات کو بڑی انداز میں پیشکش کی صلاحیت اس کاتب میں موجود ہوتی ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، ادب پر کچھ نہ لکھا جائے، ضرور لکھا جائے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی تدوین وتاریخ، حدیث کی تدوین وتاریخ، مفسرین ومحدثین کی سوانح نگاری، تفسیری کتابوں کا تعارف، ان کا مجموعی تجزیہ، فقہی کتابوں کا تعارف، ان کے مشمولات پر بحث اور موجودہ ضروریات کے تقاضے، بزرگان دین، اسلاف امت کی سوانح نگاریاں، ان کے ملفوظات وارشادات، زرین اقوال کی ترتیب، ادب زبان کی تاریخ اور بدلتے حالات میں زبان وادب کے مزید تقاضے اس قسم کی تحریروں میں جدت ہوتی ہے، اس لئے تحریر نگاری، تصنیف وتالیف پر ہی نہیں بلکہ ان جیسے ہر موضوع کے اہم اور تاریخی وسوانحی گوشوں کو بیان کرنے کی بھی ضرورت ہے، جس کے ذریعہ سے کام میں جدت اور خوبی آسکتی ہے۔□□

عالمی خبریں

برقعہ مخالف بیان پر بورس جانسن کی معذرت

برطانوی وزیراعظم بورس جانسن نے ماضی میں اسلام کے حوالے سے تبصرہ کرنے پر اپنی سیاسی جماعت کنزرویٹو پارٹی کی ایک رپورٹ میں کہا ہے کہ اگر کسی کی دل آزاری ہوئی تو وہ معذرت چاہتے ہیں۔ برطانوی خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق اس رپورٹ کے لیے بورس جانسن کا انٹرویو کیا گیا۔ یہ رپورٹ پروفیسر سوارن سنگھ نے تیار کی جو برابری اور انسانی حقوق کے کمیشن میں بطور کمشنر کام کر چکے ہیں۔ رپورٹ میں برطانوی وزیراعظم کے حوالے سے کئی مثالیں پیش کی گئیں۔ بورس جانسن نے ۲۰۱۸ء میں خواتین کے برقعہ پہننے کے حوالے ایک کالم لکھا جس میں انہوں نے لکھا کہ وہ برقعہ پہن کر لیٹر باکس لگتی ہیں اور ان کو بینک لوٹنے والے ڈاکوؤں سے تشبیہ دی۔ رپورٹ کے مطابق بورس جانسن نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ میں نے جو کہا اس کی وجہ سے کوئی جرم سرزد ہوا۔ لوگ توقع کرتے ہیں کہ میں جس مقام پر ہوں وہاں ہر چیز ٹھیک ہو، لیکن صحافت میں آپ نے زبان کا استعمال آزادی سے کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو برا لگا ہے کہ تو میں اس کی معافی مانگتا ہوں۔

کورونا کی ابتدا کیسے ہوئی؟ امریکہ کا نئی شفاف تحقیقات کا مطالبہ

امریکہ نے کہا ہے کہ بین الاقوامی ماہرین کو اجازت ہونی چاہیے کہ دوسرے مرحلے میں تحقیقات کر کے سراغ لگائیں کہ کورونا وائرس کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ برطانوی خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق منگل کو عالمی ادارہ صحت میں وزرا کی سالانہ میٹنگ میں ایک ویڈیو پیغام کے ذریعے امریکی وزیر صحت زاویر بیسیرا کا کہنا تھا کہ کورونا وائرس کی ابتدا کے حوالے سے دوسرے مرحلے میں ایسی شرائط ہونی چاہیں جو شفاف ہوں، سائنسی بنیادوں پر ہوں اور بین الاقوامی ماہرین کو اجازت ہو کہ وہ آزادی سے وائرس کی ابتدا کے مقام اور وبا کی ابتدائی دنوں کا جائزہ لے سکیں۔ امریکی حکومت کے ذرائع کے مطابق امریکی خفیہ ادارے ایسی رپورٹس کا جائزہ لے رہی ہیں جن کے تحت کہا گیا کہ چینی وائرولوجی لیب میں کام کرنے والے ریسرچرز ۲۰۱۹ء میں کورونا کا پہلا کیس رپورٹ ہونے سے ایک ماہ پہلے شدید بیمار ہوگئے تھے۔ تاہم پیر کو ذرائع نے یہ بھی کہا کہ ابھی تک ایسے شواہد نہیں ملے جن سے ثابت ہو کہ یہ بیماری لیبارٹری سے پھیلی۔ زاویر بیسیرا نے براہ راست چین کا ذکر نہیں کیا جس کے شہر ووہان میں دسمبر ۲۰۱۹ء کو کورونا کا پہلا کیس رپورٹ ہوا۔

ہانگ کانگ ویکسین کی خوراکیں کیوں ضائع کرنے جارہا ہے؟

ہانگ کانگ جلد ہی کورونا وائرس ویکسین کی لاکھوں کی تعداد میں خوراکیں ضائع کر دے گا، کیونکہ ان کی معیاد ختم ہونے والی ہے اور کئی افراد نے ویکسی نیشن کے لیے خود کو رجسٹر نہیں کرایا۔ خبر رساں ایجنسی اے ایف پی کے مطابق ہانگ کانگ میں حکومت کی ویکسین ٹاسک فورس کے ایک رکن نے عوام کو تنبیہ کی ہے کہ فائزر بائیواین ٹیک ویکسین کی پہلی کھیپ کے استعمال کی مقررہ مدت ختم ہونے میں صرف تین مہینے کا وقت ہے۔ ہانگ کانگ دنیا کے ان چند علاقوں میں سے ایک ہے جس کے پاس اپنی ۷۵ لاکھ افراد پر مشتمل آبادی کی ویکسی نیشن کے لیے خوراکوں کا وافر ذخیرہ ہے۔ تاہم آن لائن افواہوں اور وائرس فری شہر میں ہنگامی صورتحال نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں میں ویکسین لگوانے کے لیے ہچکچاہٹ دیکھی جارہی ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا شرعی طریقہ

قرآن و سنت کی روشنی میں

تحریر: مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

کورونا وائرس مرض کی وجہ سے دنیا تھم سی گئی ہے، لوگوں کے کاروبار ٹھپ ہوگئے ہیں، غریب طبقہ اور اوسط گھرانے کے لوگ کافی پریشانی کے دور سے گزر رہے ہیں۔ ملازمین کی تنخواہیں بھی کم کردی گئی ہیں۔ آمدنی کے ذرائع کم ہوگئے ہیں اور کتنے ہی لوگوں کو ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑ سکتا ہے۔ ماہرین اقتصادیات کے مطابق اس وبائی مرض کے ختم ہونے پر بھی معیشت کو بحال ہونے کے لئے کئی مہینے درکار ہوں گے۔ ایسی صورت حال میں جہاں ہمیں اپنے اخراجات کم کرکے اپنے بچوں کے آئندہ مہینوں کے اخراجات کے لئے کچھ انتظامات کرنے ہیں، وہیں غریب اور مزدور طبقہ کا بھی خیال رکھنا ہے۔ جہاں ہمیں عید الفطر کی خریداری پر کفایت شعاری سے کام لینا ہے، وہیں یہ کوشش بھی کرنی ہے کہ ہمارا کوئی پڑوسی بھوکا نہ سوئے۔ ان دنوں مختلف تنظیمیں اور بے شمار لوگ مصیبت زدہ افراد کی مدد کرنے میں کوشاں ہیں۔ میری تمام مالداروں سے درخواست ہے کہ اس وقت لوگوں کی مدد کریں خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو اور کسی بھی علاقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہاں قرآن وحدیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی رقم صرف ۸ مستحقین زکوٰۃ کو ہی دی جاسکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۰ میں ذکر فرمایا ہے۔ آیئے، مختصر طور پر زکوٰۃ کے مسائل سمجھیں:

زکوٰۃ کے معنی اور حکم

زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی، بڑھوتری اور برکت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اُن کے مال سے زکوٰۃ لوتا کہ اُن کو پاک کرے اور بابرکت کرے اُس کی وجہ سے، اور دعا دے اُن کو۔'' (سورۃ التوبہ ۱۰۳) شرعی اصطلاح میں مال کے اُس خاص حصہ کو زکوٰۃ کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فقیروں محتاجوں کو دے کر انہیں مالک بنا دیا جائے۔ قرآن کریم کی آیات اور حضور اکرمؐ کے ارشادات سے زکوٰۃ کی فرضیت ثابت ہے۔ جو شخص زکوٰۃ کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت ابتداء اسلام میں ہی مکہ مکرمہ کے اندر نازل ہوچکی تھی، جیسا کہ امام تفسیر ابن کثیرؒ نے ذکر کیا ہے۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں زکوٰۃ کے لئے کوئی خاص نصاب یا خاص مقدار مقرر نہ تھی، بلکہ جو کچھ ایک مسلمان کی اپنی ضرورت سے بچ جاتا، اُس کا ایک بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جاتا تھا۔ نصاب کا تعین اور مقدارِ زکوٰۃ کا بیان مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔

زکوٰۃ اور رمضان

زکوٰۃ کا رمضان میں ہی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ہمیں صاحب نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو ایک سال گزرنے پر فوراً زکوٰۃ کی ادائیگی کردینی چاہئے خواہ کوئی سا بھی مہینہ ہو۔ مگر لوگ اپنے صاحب نصاب بننے کی تاریخ سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں اور رمضان میں ایک نیکی کا اجر ستر گنا ملتا ہے تو اس لئے لوگ رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور پھر ہر سال رمضان میں ہی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ایک سال مکمل ہونے سے قبل بھی نکالی جاسکتی ہے اور اگر کسی وجہ سے کچھ تاخیر ہوجائے تو بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، لیکن قصداً تاخیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے فوائد

زکوٰۃ ایک عبادت ہے، اللہ کا حکم ہے، زکوٰۃ نکالنے سے ہمیں کوئی منفعت حاصل ہو یا نہ ہو، کوئی فائدہ ملے یا نہ ملے، اللہ کے حکم کی اطاعت بذات خود مقصود ہے۔ اصل مقصد تو زکوٰۃ کا یہ ہے، لیکن اللہ کا کرم ہے جو کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو اللہ اُس کو دنیاوی فوائد بھی عطا فرماتے ہیں، اُن فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی باقی مال میں برکت، اضافہ اور پاکیزگی کا سبب بنتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور زکوٰۃ اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' (سورۃ البقرہ۔ ۲۷۶) حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ زکوٰۃ نکالتا ہے تو فرشتے اُس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو شخص اللہ کے راستے میں خرچ کررہا ہے اس کو اور زیادہ عطا فرما، اور اے اللہ جس شخص نے اپنے مال کو روک کر رکھ رہا ہے اور زکوٰۃ ادا نہیں کررہا ہے تو اے اللہ اس کے مال پر ہلاکت ڈالے۔ نیز حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: کوئی صدقہ کسی مال میں کمی نہیں کرتا ہے۔ (ترمذی)

زکوٰۃ کس پر فرض ہے

اُس مسلمان عاقل بالغ پر زکوٰۃ فرض ہے جو صاحبِ نصاب ہو۔ نصاب کا اپنی ضرورتوں سے زیادہ اور قرض سے بچا ہوا ہونا شرط ہے، نیز مال پر ایک سال گزرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس کے پاس نصاب سے کم مال ہے، یا مال تو نصاب کے برابر ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے یا مال سال بھر تک باقی نہیں رہا، تو ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ ۸۸ گرام سونا یا ۶۱۲ گرام چاندی یا ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر نقد روپیہ یا سامانِ تجارت وغیرہ جس شخص کے پاس موجود ہے اور اُس پر ایک سال گزر گیا ہے تو اُس کو صاحبِ نصاب کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہے تو وزن یعنی ۸۸ گرام سونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کسی شخص کے پاس صرف چاندی ہے تو وزن یعنی ۶۱۲ گرام چاندی پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لیکن اگر سونا، چاندی اور نقدی مشترک ہے یا صرف نقدی ہے تو ۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر پیسہ ایک سال سے زیادہ موجود ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔ مال تجارت میں زکوٰۃ کے وجوب کے لیے دو مزید شرطیں ہیں۔ بیچنے کی نیت سے خریدا تھی اور اب تک بیچنے کی نیت باقی ہے۔ گھر کے سازوسان حتی

زکوٰۃ کا رمضان میں ہی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ہمیں صاحبِ نصاب بننے کی تاریخ معلوم ہے تو ایک سال گزرنے پر فوراً زکوٰۃ کی ادائیگی کردینی چاہئے خواہ کوئی سا بھی مہینہ ہو۔ مگر لوگ اپنے صاحبِ نصاب بننے کی تاریخ سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں اور رمضان میں ایک نیکی کا اجر ستر گنا ملتا ہے تو اس لئے لوگ رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں۔

کہ گاڑی وغیرہ پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

زکوٰۃ کتنی ادا کرنی ہے:

اوپر ذکر کئے گئے نصاب پر صرف ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے۔

سامان تجارت میں کیا کیا داخل ہے

مال تجارت میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کو آدمی نے بیچنے کی غرض سے خریدا ہو۔ لہٰذا جو لوگ Investment کی غرض سے پلاٹ خرید لیتے ہیں اور شروع ہی سے یہ نیت ہوتی ہے کہ جب اچھے پیسے ملیں گے تو اس کو فروخت کرکے اس سے نفع کمائیں گے، تو اس پلاٹ کی مالیت پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ لیکن پلاٹ اِس نیت سے خریدا کہ اگر موقع ہوا تو اس پر رہائش کے لئے مکان بنوالیں گے یا موقع ہوگا تو اس کو کرائے پر چڑھادیں گے یا کبھی موقع ہوگا تو اس کو فروخت کردیں گے یعنی کوئی واضح نیت نہیں ہے بلکہ ویسے ہی خرید لیا ہے، تو اس صورت میں اس پلاٹ کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

کس دن کی مالیت معتبر ہوگی؟

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اُس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس دن آپ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اپنے مال کا حساب لگا رہے ہیں۔ پرانے زیوارت فروخت کریں تو وہ کتنے میں فروخت ہوں گے (جو نئے زیوارت کے مقابلہ میں عموماً ۲۰ فیصد کم میں فروحت ہوتے ہیں) اُسی قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا۔

سونے یا چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ

خیر القرون سے عصر حاضر تک کے جمہور علماء وفقہاء ومحدثین قرآن وسنت کی روشنی میں عورتوں کے سونے یا چاندی کے استعمالی زیور پر وجوب زکوٰۃ کے قائل ہیں، اگر وہ زیور نصاب کے مساوی یا زائد ہو اور اس پر ایک سال بھی گزر گیا ہو۔

ہر مال پر سال کا گزرنا ضروری نہیں

ایک سال مال پر گزر جائے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ ہر سال ہر ہر روپے پر مستقل سال گزرے۔ یعنی گزشتہ سال رمضان میں اگر آپ ۵ لاکھ روپے کے مالک تھے، جس پر ایک سال بھی گزر گیا تھا۔ زکوٰۃ ادا کردی گئی تھی۔ اِس سال رمضان تک جو رقم آتی جاتی رہی اُس کا کوئی اعتبار نہیں، بس اِس رمضان میں دیکھ لیں کہ آپ کے پاس اب کتنی رقم ضروریات سے بچ گئی ہے، اور اُس رقم پر زکوٰۃ ادا کردیں۔ مثلاً اِس رمضان میں ۶ لاکھ روپے آپ کے پاس ضروریات سے بچ گئے ہیں تو ۶ لاکھ کا 2.5% زکوٰۃ ادا کردیں۔

زکوٰۃ کس کو ادا کریں؟

اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت نمبر ۶۰ میں ۸ مستحقین زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے: (۱) فقیر یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ تھوڑا مال واسباب ہے لیکن نصاب کے برابر نہیں۔ (۲) مسکین یعنی وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ (۳) جو کارکن زکاۃ وصول کرنے پر متعین ہیں۔ (۴) جن کی دلجوئی کرنا منظور ہو۔ (۵) وہ غلام جس کی آزادی مطلوب ہو۔ (۶) قرضدار یعنی وہ شخص جس کے ذمہ لوگوں کا قرض ہو اور اُس کے پاس قرض سے بچا ہوا بقدر نصاب کوئی مال نہ ہو۔ (۷) اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا۔ (۸) مسافر جو حالت سفر میں تنگدست ہوگیا ہو۔ غرضیکہ وہ حضرات جو صاحب نصاب نہیں ہیں اُن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

جنھیں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

اُس شخص کو جس کے پاس ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔ سیّد حضرات اور بنی ہاشم۔ بنی ہاشم سے حضرت حارثؓ بن عبدالمطلب، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد مراد ہیں۔ اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اپنے بیٹے، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ شوہر اپنی بیوی کو اور بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی ہے۔ کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی ہے۔ بھائی، بہن، بھتیجہ، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، ساس، سسر، داماد وغیرہ میں سے جو حاجتمند اور مستحقِ زکوٰۃ ہوں، انہیں زکوٰۃ دینے میں دوہرا ثواب ملتا ہے، ایک ثواب زکوٰۃ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا۔ کسی تحفہ یا ہدیہ کے شکل میں بھی اِن مذکورہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ نہ نکالنے پر وعید:

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳۴۔ ۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو اپنے مال کی کما حقہ زکوٰۃ نہیں نکالتے۔ اُن کے لئے بڑے سخت الفاظ میں خبر دی ہے، چنانچہ فرمایا کہ جو لوگ اپنے پاس سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، تو (اے نبی) آپ اُن کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے، یعنی جو لوگ اپنا پیسہ، اپنا روپیہ، اپنا سونا چاندی جمع کرتے جارہے ہیں اور اُن کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن پر اللہ نے جو فریضہ عائد کیا ہے اُس کو ادا نہیں کرتے، اُن کو یہ وعید سنا دیجئے کہ ایک دردناک عذاب اُن کا انتظار کررہا ہے۔ پھر دوسری آیت میں اُس دردناک عذاب کی تفصیل ذکر فرمائی کہ یہ دردناک عذاب اُس دن ہوگا جس دن سونے اور چاندی کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر اُس آدمی کی پیشانی، اُس کے پہلو اور اُس کی پشت کو داغا جائے گا اور اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، آج تم اس خزانے کا مزہ چکھو، جو تم اپنے لئے جمع کررہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِس انجام بد سے محفوظ فرمائے، آمین۔ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب مال میں زکوٰۃ کی رقم شامل ہوجائے یعنی پوری زکوٰۃ نہیں نکالی بلکہ کچھ زکوٰۃ نکالی اور کچھ رہ گئی تو وہ مال انسان کے لئے تباہی اور ہلاکت کا سبب ہے۔ لہٰذا اس بات کا اہتمام کرو کہ ایک ایک پائی کا صحیح حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوٰۃ سے متعلق چند متفرق مسائل

زکوٰۃ جس کو دی جائے اُسے یہ بتانا کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے ضروری نہیں بلکہ کسی غریب کے بچوں کو عیدی یا کسی اور نام سے دیدینا بھی کافی ہے۔ دینی مدارس میں غریب طالب علموں کے لئے زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ زکوٰۃ کی رقم کو مساجد، ہسپتال، یتیم خانے اور مسافر خانے کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر عورت بھی صاحبِ نصاب ہے تو اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر شوہر خود ہی عورت کی طرف سے بھی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے مال سے کردے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ □□

بچّوں کا گوشہ

گفتار و کردار کے غازی

ایک معصوم بچے کے آنسوؤں کی قیمت زروجواہر سے کہیں زیادہ ہے۔ افسانے کا دور ہے، رومانی ادب مقبولیت حاصل کرچکا ہے۔ مذاقِ انسانی بدل چکا ہے۔ سچ کی قیمت گرتی جارہی ہے، جھوٹ کی گرم بازاری ہے۔ ادیب اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ دلچسپ سے دلچسپ قصے گڑھیں اور پریس کے حوالے کریں۔ شہرت بھی ملے، مقبولیت بھی حاصل ہو اور جیب میں کچھ ٹکے بھی آجائیں۔ ان کو یہ احساس نہیں کہ ان کی یہ کہانیاں کیا گل کھلا رہی ہیں اور ہمارا ادب حقیقت وواقعہ نگاری سے کتنا دور ہوتا جارہا ہے اور ہمارے ادیب کس حد تک تخریب اخلاق کے ذمہ دار ہیں۔ مگر وہ بھول گئے ہیں، سچائی ہی وہ مشعل ہے کہ جس کی روشنی کبھی مٹ نہیں سکتی اور سچے قصے ہی وہ مشعلیں ہیں جو انسانیت کو نورِ ہدایت سے منور کرتی رہیں گی۔ صدیاں گزر چکی ہیں لیکن ابوذرؓ اور ایک راست باز عرب کے واقعہ کو زمانہ اب تک نہیں بھولا۔ یہ قصہ انسانی کیریکٹر کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت تھا۔ امیر المومنین صحابہ کرام کے ساتھ دربارِ خلافت میں رونق افروز تھے۔ ایک عرب کی گردن زنی کا حکم دے دیا گیا تھا جس پر قتل کا جرم ثابت ہوچکا تھا۔ عرب نے امیر المومنین سے کہا: ''اے خلیفہ! میرا ایک نابالغ بھائی ہے جس کا روپیہ میری امانت میں ہے۔ اگر میری گردن ماردی گئی تو میرے بھائی کا روپیہ اس کو نہیں مل سکے گا اور میں خدائے عزوجل کے سامنے مواخذہ دار ہوں گا۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں جاکر اپنے بھائی کے روپیہ کا انتظام کردوں۔ تین روز کی مہلت میرے کام کے لیے کافی ہوگی۔ چوتھے روز میں واپس آجاؤں گا۔''

خلیفہ نے فرمایا: ''مہلت دینے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ تم کوئی ایسا ضامن پیش کرسکو جو تمہارے واپس نہ آنے پر سزا بھگتنے کے لیے تیار ہو۔''

عرب نے اپنی مایوس نظریں ہر طرف دوڑائیں۔ نہ جانے ابوذر کی آنکھوں میں کیا بات دیکھی کہ بے ساختہ بولا: ''اے خلیفہ میری ضمانت ابوذر کرلیں گے۔

گوشۂ خواتین

شادی شدہ خواتین اور آرائش وزیبائش

یہ بات تو طے ہے کہ اسلام نے عورتوں کو زیب وزینت کا حق دیا ہے اور یہ حق دراصل انھیں اپنے خاوند کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کیلئے دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے شوہر کی محبوب نظر رہیں اور ان دونوں میں حسن معاشرت قائم ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی سے مشروع زینت کا مطالبہ کرے تو عورت کے لیے اس کا کرنا ضروری ہے اور نہ کرنے پر اسے بیوی کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔ (حاشیہ شمی علی تبیین الحقائق)

حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شادی شدہ عورتوں کو اپنے شوہر کے سامنے سجی سنوری رہنا چاہیے تاکہ شوہر کا دل اس کی طرف راغب رہے اور وہ کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ نہ اُٹھائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون کی اہلیہ جو پہلے اپنے شوہر کے لیے مہندی اور خوشبو لگایا کرتی تھیں جب وہ کسی وجہ سے کچھ دنوں کیلئے ایسا کرنا چھوڑ بیٹھیں تو آپؐ نے ناگواری کا اظہار فرمایا اور انھیں بدستور بناؤ سنگار کرتے رہنے کا حکم دیا۔ (مسند احمد)

اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: (ترجمہ) ہم لوگ ایک غزوہ میں آپؐ کے ساتھ تھے، چنانچہ جب ہم مدینہ واپس ہوئے اور اس میں داخل ہونے لگے تو آپؐ نے کہا کہ تم انھیں (عورتوں کو) رات تک مہلت دے دو اور شہر سے باہر پڑاؤ ڈالے رہو تاکہ پراگندہ بالوں والیاں کنگھی کرلیں اور جن کے شوہر غائب تھے وہ اپنے موئے زیرناف کی صفائی کرلیں۔ (بخاری)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواتین کے لیے اپنے خاوند کی خاطر بناؤ سنگار کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ومستحسن بھی ہے، کیونکہ قدرت نے عورت کو مرد کے لیے باعث کشش بنایا ہے، لہٰذا مرد وعورت کے درمیان فریفتگی اور کشش کے اسباب کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ دونوں کی زندگی خوشگوار انداز میں گزرے۔ یہی وجہ ہے کہ جو عورت اپن شوہر کے لیے زیب وزینت کا اہتمام نہیں کرتی، گندی اور میلی کچیلی رہتی ہیں، تو شوہر کے دل میں اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے، پھر اس کے نتیجے میں گھر کے اندر ایک طرح کی اضطرابی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور مزاج کی ہم آہنگی ختم ہوکر اختلاف پیدا ہونے لگتا ہے۔

صفحہ تحفظ ختم نبوت

قادیانیت کا تعاقب کیسے کریں؟ (۱)

تحریر: مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے بطور تمہید تین باتیں عرض کرنا ضروری ہیں:

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کسی بھی فتنہ کی مثال چنگاری جیسی ہے، دنیا میں جب بھی کوئی فتنہ جنم لیتا ہے تو وہ معمولی حیثیت سے شروع ہوتا ہے اور پھر تدریجاً ترقی کرکے بہت بڑا ہوجاتا ہے، اسی لیے حدیث پاک میں ہدایت کی گئی ہے کہ رات کو سوتے وقت چراغ گل کردیا کرو، ایسا نہ ہو کہ فاسق (چوہا) بدکردار چراغ کی بتی سے پورے گھر کو خاکستر کردے، کیونکہ چھوٹی سی چنگاری بھی پورے گھر کو جلانے کے لیے کافی ہے، اسی طرح فتنہ کی چھوٹی سی چنگاری بھی اگر اس کو ختم نہ کیا جائے تو پوری ملت کے شیرازہ کو برباد کرسکتی ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آپ حضرات کم وبیش اس تاریخی حقیقت سے واقف ہوں گے کہ قادیانیت کو پاکستان سے دیش نکالا ملا ہے اور اسی

قادیانیوں کیا خبر تھی کہ کسی دن یہاں سے بھی ان کو بوریا بستر باندھنا پڑے گا اور انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا مگر پاسبان ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد اور عظیم قربانیوں کے نتیجے میں وہ روزِ سعید بھی آیا کہ قادیانیوں کے لیے پاکستان کی زمین تنگ ہوگئی۔

وقت (۱۹۸۴ء) سے قادیانیوں کا چوتھا سربراہ مرزا طاہر پاکستان سے فرار ہوکر اپنے قدیم اور باوفا سرپرست کے زیر سایہ لندن میں مقیم ہے، وہاں ان کا کھربوں روپیوں کی دولت سے بنایا ہوا ہیڈ کوارٹر ہے اور کروڑوں پاؤنڈ کی لاگت سے قادیانیوں نے برطانیہ میں سیٹلائٹ، ٹی وی اسٹیشن خرید کر ڈش انٹینا کے ذریعہ تمام دنیا میں اپنے تبلیغی مشن کا جال پھیلا رکھا ہے، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود لندن مرکز بنانے کی جگہ نہیں ہے۔

قادیانیوں کا اصل مذہبی مرکز تو قادیان ہے چونکہ قادیانی مذہب کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی یہیں پیدا ہوا ہے، قادیان ہی میں بہشتی مقبرہ اور منارۃ المسیح بھی بنایا گیا ہے، اگر تقسیم ہند کے وقت پنجاب کے حالات کشیدہ اور خراب نہ ہوتے اور وہاں کی فضا ان کے لیے ہموار ہوتی تو وہ ہرگز قادیان چھوڑ کر پاکستان نہ جاتے مگر حالات کی کشیدگی اور فضا کی ناہمواری سے انھیں یہاں سے کوچ کرنا پڑا، پاکستان پہنچ کر قادیانیوں نے چاہا کہ اب وہ اسی ملک میں اپنا مرکز قائم کریں، چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر حکومتی ذرائع اور سرکاری رسوخ و وسائل کو کام میں لاکر ربوہ میں اپنی مذہبی جولانگاہ بنائی، وہاں بھی جنتی مقبرہ بنایا اور اپنے خودساختہ قوانین جاری کیے، لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ کسی دن یہاں سے بھی ان کو بوریا بستر باندھنا پڑے گا اور انھیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے گا، مگر پاسبان ختم نبوت کی مسلسل جدوجہد اور عظیم قربانیوں کے نتیجے میں وہ روزِ سعید بھی آیا کہ قادیانیوں کے لیے پاکستان کی زمین تنگ ہوگئی، مسلمانوں کی فہرست سے ان کا نام نکال دیا گیا، اب پھر انھوں نے اپنے اصل قدیم مرکز قادیان کی طرف توجہ منعطف کی اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے ہندستان کی حکومت اور یہاں کے باشندوں کی سرپرستی و ہمدردی حاصل کی چنانچہ ۱۹۹۱ء میں جب مرزا طاہر پہلی مرتبہ لندن سے ہندستان آیا تو حکومتی سطح پر اس کا استقبال کیا گیا اور ایک سربراہ حکومت کی طرح اس کا اعزاز واکرام کیا گیا، اس وقت سے قادیانیوں کی تمام تر توجہات ہندستان پر مرکوز ہیں، ملک کے مختلف علاقوں میں ان کی تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں وہ کسی بھی طرح یہاں کی فضا کو اپنے حق میں استوار کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مبلغین و معلّمین سادہ لوح مسلمانوں کو بہکانے میں سرگرم ہیں۔ غرض کہ پاکستان کے دیش نکالے کے بعد اب وہ ہندستان کو اپنا اصل مرکز بنانے کے لیے ہر وقت کوشاں ہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں اور اس فتنہ کے سدباب کے لیے ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے تاکہ کام کی لائن متعین کرکے قدم آگے بڑھایا جائے۔

عام مسلمانوں بلکہ عام علماء کو بھی اس قسم کے فتنوں کا پتہ اس وقت چل پاتا ہے جب معاملہ بے قابو ہوجاتا ہے البتہ کچھ دینی بصیرت کے حامل، ایمانی فراست رکھنے والے، اللہ کے نیک بندے حالات کا رُخ پہچان لیتے ہیں اور اُٹھنے والے فتنوں کا اندازہ کرکے اس کے قلع قمع اور تعاقب کی تدبیریں کرتے ہیں، علمائے کرام جو وارثین نبوت ہیں ان کی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی جدوجہد شروع کردیں اور قادیانی فتنہ کو روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں، اگر ہمارے علماء نے اس طرف توجہ نہ کی تو تقسیم ہند سے پہلے کے حالات پیدا ہوجانے کا شدید خطرہ ہے۔

صورتِ حال سے عدم واقفیت کی بنا پر بہت سے شکوک وشبہات ذہنوں میں اُبھرتے ہیں انھی کو سامنے رکھ کر یہ ابتدائی معروضات میں نے پیش کی ہیں تاکہ ان سب کا ازالہ ہوجائے اور یہ سمجھ میں آجائے کہ دارالعلوم دیوبند نے تحفظ ختم نبوت کی تحریک کیوں شروع کی ہے اور اس فتنہ کے تعاقب میں وہ اس قدر حساس اور فکرمند کیوں ہے؟

حکمت عملی

فتنہ قادیانیت کی فتنہ سامانیوں کو روکنے اور مسلمانوں کو اس سنگین فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟ اس وقت میرے ذہن میں دو صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں کو اس فتنہ کی خطرناکی سے باخبر کیا جائے اور مسلم رائے عامہ کو اس طرح بیدار کردیا جائے کہ کسی بھی جگہ قادیانیوں کو فتنہ پھیلانے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

رائے عامہ کو بیدار کرنا بڑی معقولیت کی بات ہے اور یہ طریقہ پوری دنیا میں رائج ہے جس ملک کے عوام اپنی حکومت سے کوئی بات منوانا چاہتے ہیں تو وہ بڑے بڑے جلسے اور جلوس کا اہتمام کرکے اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں۔ اگر قادیانیت کے خلاف ہر طرف رائے عامہ بیدار ہموار ہوجائے تو کسی بھی فتنہ پرور کو کہیں بھی گھسنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ عوام کو آنے والے فتنہ سے آگاہ کرنا خواص کی ذمہ داری ہے، گورنمنٹ میں بھی ایک مستقل شعبہ اسی کام پر مامور ہوتا ہے کہ وہ آنے والے خطرات پر نظر رکھے اور کسی بھی ناگہانی آفت سے آگاہی دیتا رہے۔

دشمن کی ہر نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے سائنسی جدید آلات ایسے ایجاد ہوگئے ہیں جن سے ہر ملک فائدہ اُٹھا رہا ہے، اسی طرح جب دین و ایمان کے خلاف کوئی فتنہ سر اُبھارے تو علمائے وقت کا دینی فریضہ ہے کہ وہ عام مسلمانوں کو اس فتنہ سے باخبر کریں تاکہ وہ محتاط ہوجائیں اور اس کی زد سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔

اگر قادیانیت کیخلاف ہر طرف رائے عامہ بیدار ہموار ہوجائے تو کسی بھی فتنہ پرور کو کہیں بھی گھسنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ عوام کو آنے والے فتنہ سے آگاہ کرنا خواص کی ذمہ داری ہے، گورنمنٹ میں بھی ایک مستقل شعبہ اسی کام پر مامور ہوتا ہے کہ وہ آنیوالے خطرات پر نظر رکھے۔

(۲) فتنۂ قادیانیت کے سدباب اور اس کی بیخ کنی کے لیے دوسری صورت یہ ہے کہ نہایت خاموشی کے ساتھ تمام کام کیا جائے اور ہر علاقہ کے ذمہ دار حضرات پورے علاقہ پر نظر رکھیں اور اوّلاً اس بات کا پتہ چلائیں کہ یہ فتنہ کس چور دروازے سے داخل ہورہا ہے۔

مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کس کو اختیار کیا جائے، ان میں سے کون سی حکمت عملی زیادہ مفید و کارآمد ہے تو میرے خیال میں ان دونوں میں کوئی تضاد اور ٹکراؤ نہیں ہے، دونوں ہی کام کرنے کے لائق ہیں، ایک طبقہ مسلم رائے عامہ بیدار کرنے کی ذمہ داری کو پورا کرے اور دوسرا طبقہ خاموش تعاقب والی حکمت عملی کو اپنا کر اپنے دینی فریضہ کو انجام دیئے۔ (جاری)

تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں -- رئیس الشاکری ندوی

غمِ ہجراں ستاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
مدینہ یاد آتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

جنونِ عشق کی تاریخ سازی جیسے مسلک ہو
جو دشتِ جاں بلاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تصور سبز گنبد کا مہک جیسے گلابوں کی
یہ موسم جی بڑھاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

بلاوے کی تمنا میں گزر جاتا ہے دن لیکن
جو وقت شام آتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

مدینے جانے والوں کو بڑی حسرت سے تکتا ہوں
مدینہ کوئی جاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

نبیؐ کے شہر کی گلیوں کے نظارے ہیں اور میں ہوں
یہ سپنا ٹوٹ جاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

انوکھی شان رکھتے ہیں حضوری کے تقاضے بھی
کلیجہ کانپ جاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

مدینے کے سفر کا عزم زندہ ہے میں زندہ ہوں
یہ عزم آنکھیں بچاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

نوازش کی تمنائیں ، کرم والے کا دروازہ
تصور راہ پاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

خجالت میرے عصیاں کی ، تبسم ان کی رحمت کا
یہ رشتہ یاد آتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

رئیس بے نوا اور نعت کی توفیق ، کیا کہنا
قلم لفظیں سجاتا ہے تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

مغربی بنگال: ممتا نے مودی اور شاہ کے رتھ کو روک دیا

بنگال کے ہوشمند عوام نے شاہ اور شہنشاہ کی شرانگیزیوں کا دندان شکن جواب دیا ہے جو دونوں کو زندگی بھر یاد رہے گا۔ شاہ نے دہلی کے الیکشن میں پبلک کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ الیکشن کے دن اتنے غصے میں بٹن دبانا کہ شاہین باغ والوں کو کرنٹ لگے دہلی کے عوام نے ایسے زور سے دبایا کہ کرنٹ شاہ اور شہنشاہ کو لگا۔ اسی طرح کوچ بہار بنگال کے ایک انتخابی جلسہ میں شاہ نے کہا تھا کہ بٹن اتنے غصے سے الیکشن کے دن دبانا کہ کلکتہ میں دیدی کو کرنٹ لگے۔ کرنٹ بنگال کے عوام نے اتنے غصے سے دبایا کہ بی جے پی کے ہر فرد کو کرنٹ لگے بغیر نہیں رہا۔ جو داڑھی بڑھا کر رابندر ناتھ ٹیگور بنے ہوئے تھے ان کا حال سب سے برا ہے وہ کہتے تھے "او دیدی، او دیدی" "دومئی، دیدی گئی" کون گیا دنیا نے دیکھ لیا کہ غرور کا سر کیسے نیچا ہوتا ہے اور شرپسندوں کو کیسے سبق سکھایا جا سکتا ہے کہ انہیں زندگی بھر یاد رہے؟

دہلی کے اسمبلی انتخاب میں ریاست پر قبضہ جمانے کے لیے بی جے پی نے جتنے ذرائع وسائل، طاقت وصلاحیت جھونک دی تھی اس سے کئی گنا بنگال کو اپنی شرپسندی کے لئے ہر چیز دولت، طاقت کا بے دریغ استعمال کیا مودی، شاہ کے علاوہ کئی ریاست کے وزرائے اعلیٰ، کابینہ کے وزرا دیگر ریاستوں کے ایم پی اور ایم ایل اے وہاں کے شرپسند افراد نے مہینوں سے ممتا بنرجی کو حکومت سے بے دخل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ترنمول کانگریس کو اندر سے کمزور کرنے کی کوشش میں بھی کوئی کمی نہیں کی۔ ترنمول کانگریس کے کئی وزرا، ایم ایل اے اور ایم پی کو بڑی بڑی لالچ دیکر اپنے فولڈ میں کرلیا جو حکومت کے کئی محکموں کے وزیر تھے ان کے خاندان کے دیگر لوگ ایم پی اور ایم ایل اے بھی تھے بی جے پی میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے ترنمول کے دشمنوں نے یہاں تک کہنا شروع کردیا کہ ممتا بنرجی بھی بی جے پی میں شامل ہوجائیں گی اسی طرح کا پروپیگنڈہ اور تشہیر کی مہم شروع کی جھوٹ کا بازار گرم ہوگیا مودی جی نے جھوٹ اور بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے الیکشن کے دوران بھی تقریر کرتے جسے سارے چینل دھڑلے سے نشر کرتے جس روز نندی گرام میں الیکشن ہورہا تھا مودی جی کہہ رہے تھے دیدی گئیں۔ وہ نندی گرام میں ہار رہی ہیں انہیں معلوم ہوگیا ہے وہ دوسری جگہ سے کھڑی ہونے کے بارے میں سوچ رہی ہیں۔ بنگال میں چناؤ ہورہا ہے بنگلہ دیش میں جاکر بھی بنگال کے متوا کمیونیٹی کو خوش کرنے کے لئے اس کے بزرگ کی سمادھی پر حاضری دے رہے ہیں۔ ہندوستان کے سارے نیوز چینل دکھارہے ہیں الیکشن کمیشن اپنا تھا اس کے اصولوں اور ضوابط کی دھجیاں اڑا رہے تھے مگر ان سب کے باوجود مودی اور شاہ کو بنگال میں منہ کی کھانی پڑی۔ بنگال نے نفرت اور فرقہ پرستی کی سیاست کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ یہ اکثریت کا ایک ناقابل تردید پیغام تھا۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سارے ایگزٹ پول بھی بنگال میں جو بی جے کے خلاف اندر اندر لہر بہہ رہی تھی اور لوگوں میں جو مودی اور ان کی پارٹی کی اوچھی حرکتوں سے شدید قسم کا غصہ تھا اسے بھی پیش نہیں کرسکے کہ کتنی بڑی اکثریت سے ترنمول کانگریس کو کامیابی حاصل ہونے جارہی ہے۔ بھاجپا کے لیڈروں کی بھی آنکھیں بند تھیں 'اب کی بار دوسو پار' کہہ رہے تھے وہ تو سو پار نہیں کرسکے لیکن ترنمول کانگریس نے دوسو پار کرکے دکھا دیا ان کے سارے خواب چکنا چور ہوگیے شرمندگی اور حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔

بی جے نے یقیناً ۲۰۱۶ء کے مقابلے میں ۷۶ سیٹیں بڑھا لیں۔ اس میں ایک بڑا فیکٹر لفٹ- کانگریس اور آئی ایس ایف کے مورچہ کا بھی تھا جس نے بی جے پی کے لیے جگہ خالی کردی اس نے بھی اینٹی ان کمبنسی (حکومت مخالف) کی تشہیر میں شمولیت اختیار کرلی۔ جس کا فائدہ اسے ملنے کے بجائے بھاجپا کو مل گیا اگر مورچہ کو متوقع کامیابی ملتی تو بھاجپا چالیس پچاس سیٹوں پر سمٹ جاتی ۲۰۱۶ء میں سی پی ایم اور کانگریس کے ووٹ تقسیم ہوگئے بھاجپا کو بھی ملے اور ترنمول کے کھاتے میں بھی گئے اس جذبے سے کہ بی جے پی کو ہرانا ہے اور بھاجپا میں گئے کہ ترنمول کانگریس کو سبق سکھانا ہے۔ ترنمول کانگریس کی جیت اس لحاظ سے بھی قابل لحاظ ہے کہ ترنمول کانگریس کے کئی بڑی توپیں یا بگ گن بی جے پی میں شامل ہوگئیں کہ یہ بڑے کام کی ہوں گی۔ بی جے پی کے امیدواروں میں ۱۴۸؍امیدوار ترنمول کے بھگوڑے تھے شوبھندو ادھیکاری اور مکل رائے کے علاوہ سب کی پالکی رکھی گئی سب کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ منی، مسل پاور اور مشینری کا بے دریغ استعمال ہوا الیکشن کمشنر نے بی جے پی کو فائدہ پہچانے کیلئے آٹھ راؤنڈ میں الیکشن کرایا۔ بھاجپا کے لیڈروں نے پولرائزیشن کے لئے مذہب کا بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ استعمال کیا مگر الیکشن کمیشن نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ یوں تو ہر علاقے میں ہر لیڈر نے دھرم کا استعمال کیا مگر نندی گرام میں شوبھندو ادھیکاری نے امانت اور دیانت کی ساری اخلاقی حدیں توڑ دیں کہتا تھا ممتا بیگم آگئیں تو بنگال اور نندی گرام منی پاکستان بن جائے گا۔ کشمیر میں تبدیل ہوجایے گا۔ مقابلہ تیس اور ستر کے درمیان میں ہے مسلمان تیس فیصد اور ہندو ستر فیصد ہیں الیکشن کے دن کئی جگہوں میں مسلمانوں کو ووٹ ڈالنے سے بھی روکا گیا۔ گنتی کے وقت جب جیت ممتا بنرجی کے حق میں اعلان ہوگیا سارے چینلوں نے دکھایا بھی پھر تھوڑی دیر کے بعد ادھیکاری کی جیت کا اعلان کردیا کہ ادھیکاری ۱۷۳۶ ووٹ سے جیت گیے یعنی نندی گرام سے فیس سیونگ کے لیے جیتانا ضروری ہے۔ دہلی سے آرڈر آگیا ہوگا۔ ممتا بنرجی کسی سیف سیٹ سے بھی کھڑی ہوسکتی تھیں بھوانی پور جوان کی پرانی جگہ ہے وہاں سے بھی کھڑی ہوسکتی تھیں وہاں سے ترنمول کانگریس کا امیدوار ہی جیتا ہے لیکن کئی وجوہ سے ممتا بنرجی کو نندی گرام سے شوبھندو ادھیکاری کے چیلنج کو قبول کرنا پڑا۔ ممتا بنرجی کو زور زبردستی ہرادیا گیا مگر ممتا بنرجی کے وہاں سے لڑنے کی وجہ سے آس پاس کے علاقے پر اچھا اثر پڑا ادھیکاری خاندان کا اثر کم ہوا۔

> **ملک بھر میں جو ہندتو کا زہر پھیل گیا ہے اس سے ملک وقوم کو بچانا ضروری ہے بنگال کے لوگوں کو بھی آگاہ کرنا آس زہریلے سانپ یا زہریلے نظریات اور فلسفہ سے تھا۔ ممتا بنرجی نے یقیناً مودی اور شاہ کے فسادی رتھ کو روک دیا ہے مگر جو فساد اور فتنہ زعفرانی کلچر کی وجہ سے ملک بھر میں اور بنگال میں پھیل گیا ہے۔**

عین الیکشن کی مہم کے دوران تمام اپوزیشن پارٹیوں کو ممتا بنرجی نے ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا تھا کہ سب کو متحد اور منظم ہوکر ملک میں جو سب سے بڑا خطرہ بی جے پی اور آر ایس ایس کی شکل میں منڈلا رہا ہے اسے روکنے کی اشد ضرورت ہے اس وقت کچھ لوگوں کے ذہن میں آیا تھا کہ ممتا بنرجی مودی اور شاہ کے مقابلے میں کمزور پڑرہی ہیں الیکشن ہار سکتی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے الیکشن کمیشن جیسی مشینری کے غلط استعمال اور جانبداری سے ملک کے باسیوں کو آگاہ کیا تھا۔ ملک بھر میں جو ہندتو کا زہر پھیل گیا ہے اس سے ملک وقوم کو بچانا ضروری ہے بنگال کے لوگوں کو بھی آگاہ کرنا آس زہریلے سانپ یا زہریلے نظریات اور فلسفہ سے تھا۔ ممتا بنرجی نے یقیناً مودی اور شاہ کے فسادی رتھ کو روک دیا ہے مگر جو فساد اور فتنہ زعفرانی کلچر کی وجہ سے ملک بھر میں اور بنگال میں پھیل گیا ہے۔ ۷۰-۷۵ سیٹوں کو حاصل کرنا یا سینتیس فیصد کی حمایت کوئی معمولی خطرہ نہیں ہے۔ ممتا بنرجی کو دو محاذوں پر شعور اور حکمت کے ساتھ کام کرنا ہوگا ایک تو اس ریاست کو فلاحی ریاست میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جس سے ہر فرقہ اور طبقہ کو یکساں فائدہ پہنچے دس سال میں مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کیلئے کوئی ٹھوس قدم ممتا بنرجی نے نہیں اٹھایا ہے مسلمانوں کی اکثریت ممتا بنرجی سے خوش نہیں ہے مگر مسلمان بی جے پی کے ایجنڈے سے زیادہ پریشان ہیں مسلمانوں نے بی جے پی کو روکنے کے جذبے سے ممتا کی حمایت کی ہے اس حقیقت کو ممتا کو نظر انداز کرنے سے آگے چل کر نقصان ہوسکتا ہے دوسرا محاذ سے زعفرانی زہر کو ہر قیمت پر روکنا ایسے مختصر المیعاد اور طویل المیعاد قسم کا پروگرام ترتیب دینا ہوگا عوام اور خواص سب کو اس کام میں ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہوگی۔ ممتا بنرجی نے انتخابی اصلاحات کی طرف بھی توجہ مرکوز کی ہیں اس کوشش کو بھی جاری رکھنا درست ہوگا۔ انتخاب کا نظام خراب سے خراب تر ہوتا جارہا ہے۔ جمہوریت اس کی وجہ سے بے معنی ہوتی جارہی ہے۔ طاقت اور دولت کے بغیر الیکشن میں حصہ لینا ناممکن ہوتا جارہا ہے۔□□

حیدرآباد: مسجد کو بنایا گیا کورونا کیئر سینٹر، سبھی سہولیات موجود، مفت ہوگا علاج

کورونا وبا کی دوسری لہر سے پریشان ہندوستان میں ایک طرف اسپتالوں کی بدحالی کا عالم سرخیاں بن رہا ہے، اور دوسری طرف کئی اداروں اور مذہبی مقامات کے ذمہ داران نے اپنی اپنی جگہ کو 'کورونا کیئر سینٹر' میں تبدیل کر موجودہ مشکل حالات میں حب الوطنی اور انسانیت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ میڈیا ذرائع سے موصول ہورہی خبروں کے مطابق حیدرآباد کی ایک عالیشان مسجد کے ذمہ داران نے بھی مسجد کو کورونا کیئر سینٹر میں تبدیل کردیا ہے، تاکہ ضرورت مندوں کی مدد کی جاسکے اور غریب مریضوں کا مفت علاج بھی کیا جاسکے۔ بتایا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے راجندر نگر واقع مسجد محمدی کو کورونا سینٹر میں بدلا گیا ہے اور فی الحال یہاں ۴۰ بیڈ پر مبنی کورونا آئیسولیشن سینٹر بنایا گیا ہے۔ اس مسجد میں کورونا مریضوں کے لیے سبھی بنیادی سہولیات مہیا کی گئی ہیں انسانیت کی اس خدمت میں مسجد انتظامیہ کی مدد 'ہیلپنگ ہینڈ فاؤنڈیشن' نے کی ہے۔ اس نے مسجد میں زیر علاج مریضوں کے لیے سبھی سہولیات مفت دستیاب کرنے کا اعلان کیا ہے۔ مسجد محمدی سے ملحق ایک اسکول بھی ہے اور وہاں بھی کورونا مریضوں کے علاج کا انتظام کیا گیا ہے۔ اسکول میں ۲۰ کلاس روم ہیں۔ ہر کمرے میں سوشل ڈسٹنسنگ پر عمل کرتے ہوئے تین مریضوں کو رکھنے کی سہولت دی گئی ہے۔ ڈاکٹرس اور نرس وغیرہ کے رہنے کے لیے الگ سے انتظام کیا گیا ہے۔ ہر منزل پر خواتین کے لیے علیحدہ ریسٹ روم ہے۔ ہیلپنگ ہینڈ فاؤنڈیشن نے ۷۵ لاکھ روپے اس کے لیے عطیہ کیا ہے۔ اس نے ۲۴ گھنٹے ایمبولنس سروس دستیاب کرانے کی بات بھی کہی ہے جو کورونا مریضوں کو گھر سے کورونا کیئر سنٹر پہنچائے گی۔ بتایا جاتا ہے کہ کورونا سینٹر میں ۵۰ لوگوں کا اسٹاف تیار کیا گیا ہے جو تین شفٹ میں کام کریں گے۔ ان میں چار ڈاکٹرس، چار نرس اور چار بیڈ سائیڈ کیئر کرنے والے ملازمین ہوں گے۔ ان سب کی شفٹ ۶-۶ گھنٹے کی ہوگی۔

تجزیہ — کلیم حفیظ

ملک کی سالمیت کا انحصار جمہوریت کی بقا پر ہے

ملک نے ۲۶؍جنوری کو ۲۷واں یوم جمہوریہ منایا ہے۔ کورونا مہاماری کی وجہ سے اگرچہ ماضی جیسی دھوم دھام تو نہیں رہی پھر بھی رسم و رواج کے مطابق سرکاری اداروں میں یوم جمہوریہ کی تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ البتہ کسانوں کے آندولن نے خاص یوم جمہوریہ کے دن ساری دنیا کو بھارت کی جمہوری تصویر دکھا دی۔ پانچ مہینوں سے اپنے جمہوری حق کا استعمال کرنے والوں پر خود اپنے ہی ملک میں لاٹھی ڈنڈے برسائے گئے۔ کاش ابراہیم لنکن کو کوئی بتاتا کہ انھوں ے جمہوریت کی جو تعریف بیان کی تھی بھارت میں اس کی دھجیاں اڑائی جارہی ہیں اور ایک منتخب سرکار اپنے شہریوں پر ان کی مرضی کے خلاف زبردستی قوانین نافذ کررہی ہے۔ سرکار کے غلط اقدامات کے باوجود جمہوریت کی خوبیوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

بھارت جیسے تکثیری سماج کے لیے جمہوریت کسی نعمت سے کم نہیں ہے اس لیے ہم سب کو جمہوریت کی قدر کرنا چاہیے۔ آزاد جمہوری نظام کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ ملک کے ہر شہری کو شہری ہونے کے ناطے بنیادی حقوق مساوی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ مساوی حقوق کا احساس ہی شہریوں کو وطن کی مٹی سے محبت کرنا سکھاتا ہے اور وطن پر جان دینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ مساوات سے ہی اپنائیت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اپنائیت کا احساس ہی انسان کے اندر ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ اس کے برعکس غیریت اور اجنبیت کا رویہ انسانوں سے محبت اور ایثار کا بیش قیمتی اثاثہ چھین لیتا ہے اور جس ملک کے شہریوں سے یہ اثاثہ چھن جاتا ہے تو وہ ملک دیوالیہ ہوجاتا ہے۔ ہمارا ملک پائیدار جمہوریت کے معاملے میں ساری دنیا میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔ ہمارے ملک میں جس قدر مختلف الخیال گروہ بستے ہیں اور ہر سو کلومیٹر کے بعد زبان، رسوم اور روایات جس طرح بدل جاتی ہیں ایسا دوسرے ممالک میں بہت کم ہے۔ ہمارے ملک میں ایک مذہب کے ماننے والوں میں بھی درجنوں فرقے ہیں، اس کے باوجود ملک سے محبت اور ملک کے لیے ایثار کی قدر وہ مشترک قدر ہے جو ملک کے ہر خطے میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔ آپ کہیں بھی چلے جائیے وہاں کی زبان الگ ہوسکتی ہے، ان کا لباس اور طرزِ زندگی الگ ہوسکتا ہے مگر وطن سے محبت کا جذبہ ایک جیسا ہی ہوگا۔ اہل ملک کی یہ خوبی کوہِ نور ہیرے سے زیادہ قیمت رکھتی ہے اور اس خوبی کی بنیاد ہمارے ملک کی جمہوریت ہے۔ صاحبانِ اقتدار کو اہل ملک کی اس خوبی کی قدر بھی کرنا چاہیے اور اس میں اضافے کے لیے اسباب بھی فراہم کرنا چاہیے۔ جمہوریت کی اسی خوبی کی وجہ سے بعض شیطانی عناصر جمہوری نظام سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں پیدائشی طور پر اپنے بڑے ہونے کا زعم ہوتا ہے۔ یہ لوگ جمہوریت کے مقابلے فسطائی نظام کی علم برداری چاہتے ہیں جبکہ دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ فسطائیت ہر لباس میں ناپسندیدہ سمجھی گئی ہے اور اس کو لمبی عمر صرف اسی صورت میں ملی ہے کہ اس نے عوام کے بنیادی حقوق بحال رکھے ہیں۔ کسی بھی صاحب اقتدار جماعت اور گروہ کا فسطائی رویہ اقتدار کی تقویت کا سبب تو بن سکتا ہے مگر ملک کی سالمیت کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ ملک کی سالمیت کا انحصار اس پر موقوف ہے کہ ملک کے عوام ملک سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں اور عوام کے اندر محبت ان کو حاصل حقوق سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر عوام کو آزادی حاصل ہوگی، جس قدر ملک میں ان کی جان، مال، عزت، آبرو اور عقیدہ وایمان محفوظ ہوگا اسی قدر وہ ملک سے محبت کریں گے۔ کوئی صاحب اقتدار طبقہ ملک کے عوام کے درمیان تفریق پیدا کرنے لگے یا ملک کے عوام پر اپنے نظریات جبریہ نافذ کرنے لگے یا ایسی قانون سازی کرے جس سے شہریوں کے بنیادی حقوق ہی متاثر ہوجائیں تو اس کا یہ عمل عوام کے اندر ملک سے محبت کے جذبہ کو کم کردے گا جو ملک کی سلامیت کے لیے نقصاندہ ہے۔ خواہ اس کا یہ عمل جمہوریت کے لباس میں ہی کیوں نہ ہو بلکہ جمہوری لباس میں تو یہ عمل بہت زیادہ تباہی کا باعث ہوسکتا ہے۔

جمہوریت کو باقی رکھنے کی ذمہ داری اگرچہ سارے شہریوں پر عائد ہوتی ہے لیکن بڑی ذمہ داری اسی طبقے یا گروہ کی ہے جس کی اکثریت ہوتی ہے۔ جمہوری نظام میں اکثریت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اقلیتوں کے جمہوری حقوق کی حفاظت کرے، جس ملک کے اکثریتی طبقے کے اندر سے اقلیتوں سے محبت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اور جمہوریت کے تحفظ کا احساس ختم ہوجاتا ہے یا خود اکثریت کی جانب سے جمہوریت پر شب خون مارا جاتا ہے تو وہ اکثریت ملک میں بدامنی اور عدم استحکام یہاں تک کہ اس ملک کے زوال اور تقسیم کا باعث بن جاتی ہے۔ دوسری جانب اقلیتوں کے اندر اپنے حقوق کی بازیابی کی تحریکیں جنم لیتی ہیں۔ اقلیتیں سڑکوں پر نعرے بازی کرتی ہیں۔ ہڑتال کرتی ہیں اور اس طرح ملک میں اقلیت اور اکثریت میں کشمکش کا آغاز ہوجاتا ہے۔ اس کشمکش کا انجام خون آلود ہوتا ہے۔ اس کا واحد حل حقیقی جمہوریت کی بحالی میں ہی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی گھر میں بڑا بھائی اگر اپنے چھوٹے بھائی کے حقوق سلب کرلیتا ہے تو دونوں بھائیوں میں محبت کے بجائے عداوت کا رشتہ پیدا ہوجاتا ہے اور خاندان نہ صرف کمزور ہوجاتا ہے بلکہ بعض اوقات تباہ ہوجاتا ہے۔

تحفظ جمہوریت کی دوسری ذمہ داری سول سوسائٹی کے افراد پر عائد ہوتی ہے اس لیے کہ وہ سماج کا باشعور گروہ ہے۔ سول سوسائٹی کے افراد اگر تماش بین بن کر رہ جاتے ہیں تب بھی ملک تباہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔ سول سوسائٹی کے افراد اگر بروقت اپنی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے کسی گروہ کو ظلم سے روکتے ہیں اور جمہوری اقدار کے تحفظ کے لیے اقدام کرتے ہیں تو ملک مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ سول سوسائٹی میں بھی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے وابستہ افراد زیادہ ذمہ دار ہیں۔ انھیں وقتی مصالح یا اہل مناصب کے مفاد کے بجائے آئین اور ملک کا مفاد عزیز ہونا چاہیے۔ اس ضمن میں عوام کی آواز سمجھے جانے والے ادارے یعنی میڈیا کی ذمہ داری بھی زیادہ ہے کہ وہ ملک میں ظلم کے خلاف آواز اُٹھائے۔ جب کبھی اسے لگے کہ جمہوریت کا گلا گھونٹا جارہا ہے تو اسے اپنی آواز بلند کرنا چاہیے کیونکہ خود میڈیا کا وجود بھی جمہوریت کے وجود پر ہی منحصر ہے۔ جس دن ملک میں جمہوریت کے بجائے فسطائیت کا راج ہوجائے گا تو زبان وقلم کی آزادیاں چھن جائیں گی اور میڈیا صرف چمپا بن کر رہ جائے گا۔ اہل فکر کو اپنے ضمیر بیچنے پڑیں گے۔ یہ صرف نظریاتی بحث نہیں ہے بلکہ اسی ملک میں برٹش راج میں ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ فسطائیت ضروری نہیں ہے کہ غیر ملکیوں کے ہی ذریعے آئے، خود اپنے ملک کے عوام کے منتخب نمائندے بھی فسطائی ہوسکتے ہیں۔ برٹش راج میں ظلم کرنے والوں میں ایک بڑی تعداد خود اہل ملک کی ہی تھی۔ جب خود ملک کے شہریوں نے اپنے ملک کے عوام پر گولی چلانے اور ظلم کرنے سے انکار کردیا تو برٹش راج کی ہوا نکل گئی۔

تحفظ جمہوریت کی سب سے کم ذمہ داری اقلیتوں پر عائد ہوتی ہے اس لیے کہ وہ خود فسطائی ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔ کوئی بھی مظلوم طبقہ اس ظلم میں اضافے کا سبب نہیں ہوتا البتہ یہ کہا

(باقی صـ۱۴ پر)

کھیل کی دنیا

قطر میں منعقد ہوگا فیفا کپ ۲۰۲۲ء

جدید قطر کی اساس کا سہرا جن دو شخصیات کے سر باندھا جاتا ہے ان میں قطر کے سابق امیر السمو الشیخ حمد بن الثانی اور خاتون اوّل شیخہ موزا بنت نصر المسند کو خیال کیا جاتا ہے اور اس میں رائی برابر بھی کوئی شک نہیں۔ ۲۰۱۳ء میں جب قطر کے سابق امیر السمو الشیخ حمد بن خلیفہ الثانی نے بوجوہ خرابی صحت حکومت اپنے جانشین السمو شیخ تمیم بن حمد الثانی کے سپرد کی تو ان کی جوان عمری میں بادشاہت جیسی ذمہ داریوں کو لے کر خطہ اور پوری دنیا میں ایک خاموش قسم کی چہ میگوئیاں سنائی دیں کہ کیا ایک کھلنڈرا نوجوان حکومت کی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر سنبھال لے گا؟ بین الاقوامی سیاست میں بھی شیخ تمیم بن حمد الثانی نے اپنی بصیرت، بہترین سیاسی حکمت عملی اور خوبصورت مسکراہٹ سے اپنے ویژن کا لوہا منوایا۔ انھوں نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے قطر کو اس قابل بنا دیا کہ باوجودیکہ بین الاقوامی مخالفت فیفا کپ ۲۰۲۲ء کو اپنے ملک میں منعقد کروانے کے اعزاز کو برقرار رکھا۔ اب فیصلہ کو حتمی شکل دی جا چکی ہے کہ کچھ بھی ہوجائے فیفا کپ ۲۰۲۲ء قطر میں ہی منعقد ہوگا جس کے لیے باقاعدہ شیڈول کا اعلان بھی جاری کردیا گیا ہے۔

شیخہ موزا بنت نصر المسند نے فیفا کمیٹی کے سامنے جب اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا تو انھوں نے بس ایک لفظ اس کمیٹی کے سامنے رکھا تھا اور وہ لفظ تھا When? (کب؟) اور اس کے بعد انھوں نے کمیٹی کو یہ باور کرایا کہ اس سے قبل فیفا امریکہ، یورپ، افریقہ اور ایشیا میں فٹ بال کا عالمی کپ منعقد کروا چکا ہے اور جس خطہ میں بھی اس عالمی کپ کا انعقاد ہوا پوری دنیا نے دیکھا کہ وہاں معاشی و معاشرتی کے ساتھ ساتھ فٹ بال کو بھی فروغ ملا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ اگر قطر کو اس کی میزبانی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو اس خطہ میں کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ سب سے پہلے تو فٹ بال کو فروغ ہوگا اور پھر ہم اس کھیل کے ذریعے دنیا کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوں گے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ مشرق و مغرب کو ایک دوسرے کے قریب کرسکیں اور آخر میں انھوں نے پھر اپنے سوال کو دوہرایا کہ مڈل ایسٹ کا ہر بچہ مجھ سے سوال کررہا ہے کب اس خطہ میں فیفا کپ کا انعقاد ہوگا۔ اس کے بعد جب چیئرمین فیفا نے دنیا کے سامنے ایک لفافہ میں سے وہ نام نکال کے دِکھایا تو وہ قطر کا نام تھا۔

قطر جو کہ اس سے قبل ایتھلیٹکس اور انڈور گیمز کے علاوہ ایشین گیمز ۲۰۰۶ء کا کامیاب انعقاد بھی کروا چکا ہے اگر سابقہ بین الاقوامی ایسی تقریبات کے انتظام و انصرام کو دیکھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ قطر کے لیے فیفا کپ کا انعقاد وانصرام

فیفا عالمی کپ ۲۰۲۲ء منعقدہ قطر کا پہلا میچ میزبان ٹیم کے ساتھ ۲۱ر نومبر ۲۰۲۲ء کو البیت اسٹیڈیم الخور میں کھیلا جائے گا جبکہ دوسری اور تیسری پوزیشن کے حصول کے لیے ۱۷ر دسمبر ۲۰۲۲ء کو خلیفہ انٹرنیشنل اسٹیڈیم میں اور فائنل میچ قطر کے قومی دن یعنی ۱۸ر دسمبر کو لوسیل اسٹیڈیم میں اسّی ہزار تماشائیوں کی موجودگی میں کھیلا جائے گا۔

کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس سلسلے میں قطر حکومت نے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے جس کا کام ہی صرف ایسے معاملات، کام کی رفتار اور انصرام کا جائزہ لینا ہے کہ قبل از وقت تمام متعلقہ کام کو نپٹایا جاسکے۔ اس کمیٹی کا نام ہے سپریم کمیٹی آف ڈیلوری اینڈ لیکسی۔ اس کمیٹی کے جنرل سکریٹری حسن الزوابی نے فیفا کپ ۲۰۲۲ء کی میزبانی کا باقاعدہ عملی طور پر اعلان کردیا ہے۔ انھوں نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں بتایا کہ فیفا عالمی کپ ۲۰۲۲ء منعقدہ قطر کا پہلا میچ میزبان ٹیم کے ساتھ ۲۱ر نومبر ۲۰۲۲ء کو البیت اسٹیڈیم الخور میں کھیلا جائے گا جبکہ دوسری اور تیسری پوزیشن کے حصول کے لیے ۱۷ر دسمبر ۲۰۲۲ء کو خلیفہ انٹرنیشنل اسٹیڈیم میں اور فائنل میچ قطر کے قومی دن یعنی ۱۸ر دسمبر کو لوسیل اسٹیڈیم میں اسّی ہزار تماشائیوں کی موجودگی میں کھیلا جائے گا۔

فیفا عالمی کپ ۲۰۲۲ء کے انعقاد سے خطہ کی سیاست، معیشت اور معاشرت پر کیا اثرات مرتب ہوں گے، یہ ایک سوال ہے کیونکہ عرصہ تین سال سے ہمسایہ ملک سعودی عرب، یواے ای اور بحرین اس ملک کے ساتھ قطع تعلق کیے ہوئے ہیں۔ یہ وہ سوال ہے جو قطر سے باہر بیٹھے ہوئے ناقدین، مبصرین اور محققین کو پریشان کیے ہوئے ہے۔ تاہم جس طرح قطر نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑی بڑی شاہراہوں، بنیادی انفرااسٹرکچر، اسٹیڈیم، میٹرو، خوراک میں خود کفالت اور بین الاقوامی سیاست میں اپنے کردار کو منوایا ہے قریب قریب اس کی مثال بہت کم ممالک میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ سب سے بڑی بات جو قطر کی ترقی میں ہے وہ تعلیمی معیار شرح میں اضافہ خاص کر تعلیم نسواں میں، ایک سروے کے مطابق اس وقت پورے خلیج میں قطر واحد ملک ہے جہاں خواتین کا لٹریسی ریٹ سب سے زیادہ ہے۔ قطر کی تعلیمی ترقی کا راز تحقیق اور دنیا کی تمام بڑی یونیورسٹی کی سب کیمپس بنانے میں مضمر ہے اور اس بات کا سہرا السمو الشیخہ موزا بنت نصر المسند کے سر ہے جنھوں نے تعلیمی ترقی کے لیے دن رات ایک کیا ہوا ہے۔ چونکہ وہ خود بھی ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں اس لیے تعلیم کی اہمیت خصوصاً خواتین کی اہمیت کو بخوبی سمجھتی ہیں۔ ایجوکیشن سٹی اور قطر ایجوکیشن فاؤنڈیشن جیسے بڑے اداروں کے علاوہ بہت سے دیگر اداروں کو بھی بحسن وخوبی چلارہی ہیں۔ ان کی تعلیمی خدمات کے عوض انھیں دنیا بھر کی بہت سی تنظیموں نے اعزازات سے بھی نواز رکھا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں تعلیم میں کس قدر دلچسپی ہے۔ ◻◻

طب وصحت

بادام - ایک مفید غذا

اگر آپ کو بھولنے کا مرض ہے یا یادداشت کمزور ہے تو خشک وتر میوہ جات کے علاوہ خوبانی، سیب، کھجور، چلغوزہ، جو کا دلیہ اور گاجر کھائیں۔ تربوز کا گودا، زیتون، کلونجی اور آملہ استعمال کریں۔ ذیل میں ہم چند آزمودہ نسخے بتارہے ہیں، انھیں آزما کر دیکھیں، یقیناً اس سے فائدہ ہوگا۔

- ایک کپ پانی میں دس گرام پودینہ کے پتے ڈال کر اُبال لیں، اس میں نصف چائے کا چمچہ کلونجی کا تیل ملا کر دن میں دو مرتبہ پئیں، اس سے یادداشت بہتر ہوتی ہے۔
- نصف چائے کا چمچہ کلونجی کا تیل دن میں دو مرتبہ پئیں۔ پیشانی اور کانوں کے نیچے کلونجی کے تیل سے ہلکے ہلکے مساج کریں۔ یہ نسخہ دماغ کمزوری کے لیے مفید ہے۔
- دن میں دو مرتبہ کھانے کے ساتھ انار دانہ، پودینہ ہم وزن اور تھوڑی سی ادرک بغیر نمک مرچ کے چٹنی بنا کر استعمال کریں۔
- جو کا دلیہ پانی میں پکا کر ایک پیالی دودھ اور ایک کھانے کا چمچہ شہد ملا کر صبح ناشتہ میں کھائیں۔
- تین سے پانچ دانے انجیر روزانہ نہار منہ کھائیں۔ پانچ دانے انجیر، آدھا پاؤ جو کے آٹے میں ملا کر کھانے سے فائدہ ہوتا ہے۔
- دس گرام سونف، بادام، مصری ہم وزن لے کر پیس لیں اور اس سفوف کو یکجا کرکے روزانہ ایک چائے کا چمچہ دودھ کے ساتھ صبح وشام کھائیں، دماغ کمزوری کے لیے فائدہ مند ہے نیز دس گرام سونف پیس کر آدھے گلاس پانی میں خوب گھوٹیں، اس میں شکر اور سفید مرچ کا سفوف ملا کر صبح شام پئیں، سر درد اور چکروں کے لیے بے حد مفید نسخہ ہے۔
- دماغی کمزوری دور کرنے کیلئے روزانہ دو سیب کھائیں سیب کا مربہ بھی اس بیماری کے لیے بیحد مفید ہے۔
- تربوز کاٹ کر اس کا گودا نکال کر کسی کپڑے پر پھیلا لیں، پھر اسے نچوڑ کر اس کا رس نکال لیں، اس میں تھوڑی سی مصری ملا کر صبح نہار منہ پئیں۔ سر درد اور چکروں کے لیے بیحد مفید ہے۔ تربوز کے بیج نکال کر چھیل لیں اور انھیں کسی برتن میں ڈال کر خوب گھوٹیں، یہاں تک کہ وہ دودھ ملائی کی طرح ہوجائیں، اسے دماغ کے درد اور چکروں کی بیماری میں مبتلا مریض کے سر پر ملیں، انشاء اللہ افاقہ ہوگا۔
- آملہ کا تیل دماغ کے لیے بیحد مفید ہے۔ اس کے علاوہ آملہ کے سفوف میں جامن اور پیٹھا ہم وزن ملا کر ایک کھانے کا چمچہ دن میں دو بار کھائیں۔
- سات عدد بادام اور سات عدد کشمش رات کو ایک گلاس پانی میں بھگودیں۔ صبح نہار منہ بادام اور کشمش ملا کر کھائیں۔ گیارہ عدد چھلے ہوئے بادام کدو کے بیج چھ ماشہ، خشخاش تین ماشہ، گیہوں ایک ماشہ رات کو ایک گلاس پانی میں بھگودیں۔ صبح انھیں پیس کر ایک پاؤ دودھ میں ڈال کر اُبال لیں، اب دو تولہ دیسی گھی اور پانچ عدد لونگ فرائی پین میں ڈال کر گرم کریں۔ لونگیں خوب سرخ ہوجائیں تو دودھ میں بگھار دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر حسب ذائقہ چینی ملا کر پی لیں۔ یہ نسخہ ہر قسم کے دماغی امراض کے لیے بیحد مفید ہے۔ اس کے علاوہ روغن بادام کے تین چائے کے چمچے ایک گلاس میں نیم گرم دودھ میں ملا کر صبح نہار منہ اور شام کو پئیں۔ ایک پاؤ بادام، پچاس گرام بڑی الائچی، اس کے ہم وزن چھوٹی الائچی اور ایک تولہ شہد لیں۔ رات کو بادام گرم پانی میں بھگو کر رکھ دیں۔ صبح انھیں خشک کرکے پیس کر شہد میں ملا دیں۔ ساتھ ہی اس میں بڑی اور چھوٹی الائچی بھی پیس کر ملا دیں۔ اس آمیزے کو کسی جار میں محفوظ کرکے رکھ لیں۔ روزانہ صبح و شام ایک کھانے کے چمچے کے برابر کھائیں۔ تین ماہ مسلسل اس کے استعمال سے دماغی کمزوری دور، یادداشت بہتر اور چکر آنے ختم ہوجائیں گے۔ ۵۰ گرام بادام، اس کے ہم وزن پستہ اور مغز اخروٹ پیس کر ۳۰۰ گرام خالص شہد میں اچھی طرح ملا کر بوتل میں رکھ دیں۔ ایک چائے کا چمچہ روزانہ رات کو دودھ کے ساتھ کھائیں۔
- دو گاجریں صبح وشام کھانے سے دماغی کمزوری دور ہوتی ہے۔
- پندرہ عدد خوبانی کے بیج نکال لیں۔ ایک تولہ سونف، تین ماشہ بڑی الائچی رات کو ایک پاؤ دودھ میں ڈال کر اُبال لیں۔ صبح نہار منہ خوبانی کا دودھ پی لیں، یہ دماغی کمزوری کے لیے بے حد مفید ہے۔
- بادام کے تیل میں انگلی ڈبو کر رات کو سوتے وقت سر کے بیچ میں لگائیں۔ دماغی کمزوری کا بہترین علاج ہے۔
- ایک چائے کا چمچہ زیتون کا تیل روزانہ ایک مرتبہ پئیں، یہ دماغی کمزوری کے لیے فائدہ مند ہے۔
- سات عدد کھجوریں اچھی طرح دودھ میں پکائیں، انھیں سوتے وقت دودھ کے ساتھ اچھی طرح چبا کر کھالیں۔ یہ دماغی کمزوری کا بہترین علاج ہے۔
- دس گرام چلغوزے، دس دانے چھلے ہوئے بادام، دس گرام اخروٹ کا مغز، پندرہ گرام کالے چنے چھلے ہوئے اور دس گرام مصری لیں، یہ تمام اشیا پیس کر

ادبیات

رہِ حیات میں آگے قدم نہیں اُٹھتے

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوری

شبِ فراق کی کافور تیرگی ہوگی
جلے گا خونِ تمنا تو روشنی ہوگی

وفورِ شوق میں جتنی بھی بیخودی ہوگی
رموزِ عشق سے اُتنی ہی آگہی ہوگی

ہمارے وہم وگماں میں بھی یہ نہ آیا تھا
تمہاری بزم میں توہینِ عاشقی ہوگی

تمہارے دور میں عزت ہی مال وزر سے ہے
ہمارے دور میں توقیرِ آدمی ہوگی

یہی رہا جو زمانے میں رہبری کا مزاج
قدم قدم پہ زمانے میں رہزنی ہوگی

رہِ حیات میں آگے قدم نہیں اُٹھتے
ہماری منزلِ مقصود، آگئی ہوگی

رضائے دوست میں راضی رہیں گے دیوانے
ہ رنج ہوگا کہیں کا، نہ کچھ خوشی ہوگی

ہم اپنی ذات میں خود کو کریں گے جذب اتنا
ہماری ذات سے تکمیلِ زندگی ہوگی

خدا کی راہ میں ہم اپنا سر کٹا دیں گے
اب اس ادا سے، ادا اپنی بندگی ہوگی

قریب آئیں گی ساری منزلیں حافظ
ہمارے عزمِ سفر میں جو پختگی ہوگی

وہ اپنی جان بچانے کا جانتے ہیں ہنر

افضل شیر کوٹی

نجوم وشمس وقمر، کہکشاں پہ رکھتے ہیں
کہ اہلِ فکر نظر آسماں پہ رکھتے ہیں

سفر نظر کا نہیں اپنی ذات تک محدود
نظر یہ اہلِ نظر تو جہاں پہ رکھتے ہیں

فساد و فتنہ اُٹھانے کے واسطے مفسد
کہاں کی بات ہے اور یہ کہاں پہ رکھتے ہیں

غصب جو ظلم سے کرتے ہیں حق غریبوں کا
وہ لوگ بارِ گراں اپنی جاں پہ رکھتے ہیں

وہ اپنی جان بچانے کا جانتے ہیں ہنر
نگاہ اپنی جو تیر وکماں پہ رکھتے ہیں

خدا کی نظروں سے گرتے ہیں بس وہی افضل
جو لام، کاف ہمیشہ زباں پہ رکھتے ہیں

سرور وکیف کے دھاروں سے کھیل سکتا ہوں

ساغر صدیقی

تیری نظر کے اشاروں سے کھیل سکتا ہوں
جگر فروز شراروں سے کھیل سکتا ہوں

تمہارے دامن رنگیں کا آسرا لے کر
چمن کے مست نظاروں سے کھیل سکتا ہوں

کسی کے عہد محبت کی یاد باقی ہے
بڑے حسیں سہاروں سے کھیل سکتا ہوں

مقام ہوش و خرد انتقام وحشت ہے
جنوں کی راہ گزاروں سے کھیل سکتا ہوں

مجھے خزاں کے بگولے سلام کرتے ہیں
حیا فروش چناروں سے کھیل سکتا ہوں

شراب وشعر کے دریا میں کھو کر ساغر
سرور وکیف کے دھاروں سے کھیل سکتا ہوں

مری تباہیوں کا بھی فسانہ کیا فسانہ ہے

مجید امجد

یہ کیا عجیب راز ہے سمجھ سکوں تو بات ہے
نہ اب وہ ان کی بے رخی، نہ اب وہ التفات ہے

مری تباہیوں کا بھی فسانہ کیا فسانہ ہے
نہ بجلیوں کا تذکرہ نہ آشیاں کی بات ہے

یہ کیا سکوں ہے، اس سکوں میں کتنے اضطراب ہیں
یہ کس کا میرے سینے پر خنک خنک ساہات ہے

نگاہ میں بسا بسا، نگاہ سے بچا بچا
رُکا رُکا، کھنچا کھنچا، یہ کون میرے سات ہے

چراغ بجھ چکے، پتنگے جل چکے، سحر ہوئی
مگر ابھی مری جدائیوں کی رات، رات ہے

ہوا کے شہر میں کیسا یہ انقلاب آیا

ذوالفقار خاں زلفی

کیا نہ کام کوئی اپنی زندگی کے لیے
تمام عمر گزاری تری خوشی کے لیے

جو ہوسکے تو سجا لو یہ اپنے دل کی زمیں
بہار لوٹ کے آئی ہے ہر کسی کے لیے

ہوا کے شہر میں کیسا یہ انقلاب آیا
چراغ جلتے مسلسل ہیں روشنی کے لیے

اُٹھے نہ کوئی بھی آندھی شرارتوں کی یہاں
بسا رہا ہوں شہر آج آدمی کے لیے

غزل میں درد کی اِک داستان ہے زلفی
کہاں سے لاؤں میں اشعار نغمگی کے لیے

بقیہ — اسلامی اقامت گاہیں...

مناسب کتابوں کی فراہمی پر زور دیا ہے، انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایسے اقامت گاہوں میں ابتدا میں ایسے طلبہ رکھے جائیں جو دین وایمان کے اعتبار سے زیادہ لاپرواہ نہ ہوں، تاکہ دوسرے طلبہ انتہائی سرکش لڑکوں کے اخلاق وعادات سے محفوظ رہ سکیں۔ ابتدا میں اقامت گاہ میں عارضی داخلہ دیا جائے اور اگر ان کے عادات واطوار ایسے نظر آئیں جن پر محنت کرنے سے صحیح رخ پاجانے کا امکان ہوتو اس کو مستقل کردیا جائے۔

مولانا عبد الباری ندویؒ گیلانی اقامت خانوں کے قیام کو اس ارتدادی فتنہ کے نئے طوفان کے مقابلہ کے لیے ضروری سمجھتے تھے، ان کے خیال میں جس طرح گاؤں گاؤں میں سیکولر نظام تعلیم کے مقابلے اسلامی مکتب کھولنے کی مہم چل رہی ہے، گیلانی اقامت خانے قائم کرنے کی بھی مہم چلنی چاہیے۔ حضرت گیلانی کے معتقدین اوران کی فکر رسا کے مادحین اوران کے شاگردکسی کوبھی اس تجویز کو عملی شکل دینے میں دلچسپی نہیں ہوئی، حالانکہ اس تجویز کی اہمیت وافادیت کے قائل مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی رحمہم اللہ سبھی تھے۔

مولانا عبدالباری ندویؒ عثمانیہ یونیورسٹی سے سبکدوشی کے بعداس تجویز کو عملی رنگ وروپ دینا چاہتے تھے، انہوں نے ہارڈنگ روڈ لکھنو؟ میں خوداپنے وسیع وعریض اورلق ودق مکان 'شبستان قدم رسول' کواس کام کے لیے دینے کاارادہ کرلیا تھا، ایک صاحب عزیمت جواں سال نگرانی کے لیے تیار بھی ہوگئے تھے، لیکن پھر وہ اس پتہ ماری کے کام کے لیے خودکو تیار نہ رکھ سکے اوراقامت گاہوں کا قیام موزوں نگراں دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے دھرا کا دھرا رہ گیا، حالانکہ اس کام کے لیے کسی بڑے عالم وفاضل کی ضرورت بھی نہیں، صرف جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنی رجحانات وکوائف سے مانوس اورخود دینی احکام وہدایات پر عمل پیرا ہوناضروری تھا، اس کام کے لیے عصری تعلیم یافتہ کوبھی رکھا جاسکتا تھا، لیکن اسلامی اقامت خانوں کی گیلانی تجویز کوسب سے زیادہ کارگر، آسان اور عملی تسلیم کرنے کے باوجوداس معاملہ میں ہنوز روزاول ہے، وجہ صرف ایک سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ مادی منفعت سے دوریہ کام خالص پتہ ماری اورعملی ہے، اورہم لوگ جوحصول شہرت کے لیے اپنی بہت ساری توانائی لگادیتے ہیں، اس بے نام کے کام کی عملی صلاحیت سے کوسوں دور ہیں۔

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی لکھتے ہیں: ''حالات وہی ہیں جوانگریزوں کے دورحکومت میں تھے؛ بلکہ بعض اعتبار سے حالات پہلے سے زیادہ سنگین ہیں اور مسلمان نوجوانوں کومختلف راستوں سے گمراہ کرنے کی تدبیریں جاری ہیں؛ بالخصوص مذہب بیزاری یا خدا بیزاری پر بڑی طاقتیں جوکچھ کررہی ہیں وہ کسی باخبر سے مخفی نہیں ہے، الحاد کاایک طوفان ہے، جومشرق سے مغرب تک اورجنوب سے شمال تک انسانی ذہنوں کومتاثر کرنے میں کام کررہا ہے۔'' اس تناظر میں دیکھیں تو اسلامی اقامت گاہوں کے قیام کی ضرورت پہلے سے آج کہیں زیادہ ہے۔ ◻◻

بقیہ : —— گاہے گاہے باز خواں...

جے پی کے حلقوں میں مسٹر اڈوانی کودوبارہ ملزموں کی فہرست میں شامل کیے جانے پرکوئی پریشانی نظر نہیں آرہی ہے تو بہت ممکن ہے کہ اسے اعتماد ہوکہ قانونی داؤپیچ میں اُلجھا ہوایہ معاملہ جوتیرہ سال پرانا ہوجانے کے باوجود ابھی پہلی ہی منزل میں ہے، آئندہ بھی اسے غیرمعینہ مدت تک اسی طرح قانونی موشگافیوں میں اُلجھا کررکھا جاسکتا ہے جس میں سنگھی ٹولہ کو بہرحال مہارت حاصل ہے۔

ہمارے خیال میں دوسرے بہت سے معاملات کی طرح ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کواس معاملہ کو بھی اپنی نگرانی میں لے لینا چاہیے اور ہر ماہ اپنی ماتحت عدالتوں سے اس سلسلہ میں ہونے والی کارروائی سے آگاہی حاصل کرتے رہنا چاہیے یہ ہی ایک صورت ہے جس میں ہائی کورٹ کی انصاف کی منشاء پوری ہوسکتی ہے ورنہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ سنگھ پریوار اوران کے زیراثر افسرشاہی اس معاملہ کوطول دے کر انصاف کے تقاضوں کو ملیا میٹ کر ڈالنے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت کرنے میں دریغ نہیں کریں گے۔اور یہ ایک ایسا حادثہ ہوگا جو انصاف کے تقاضے پورا ہونے میں زبردست رُکاوٹ ثابت ہوگا۔

بقیہ : —— تجزیہ

جاسکتا ہے کہ مظلوم ظلم برداشت کرکے ظالم کا حوصلہ بڑھادیتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اقلیتوں کواپنی آزادی کا احساس ہو، انھیں اپنے حقوق معلوم ہوں، وہ اپنے آئینی حقوق پرعمل کرتے ہوں اور جب کبھی ان کوحاصل حقوق پرضرب پڑے تواس کی حفاظت کے لیے میدان میں آجائیں توجمہوریت کو بچایا جاسکتا ہے لیکن یہ بہت مشکل کام ہے۔ اکثریتی طبقے کے انصاف پسند افراد کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے کہ کوئی اقلیت اپنے جمہوری حقوق کو بازیاب کراسکے۔تاریخی دن یا کسی عظیم رہنما کا جنم دن منانے کا اس کے سوا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ ہم اس دن سے منسوب جو واقعات وحقائق ہیں ان کو سمجھیں اوراس تعلق سے اپنے فرائض ادا کریں۔

یوم جمہوریہ کی سالانہ تقریبات بھی صرف اچھی تقریریں کرنے، ملک پرشہید ہونے والوں کے مزاروں اورتصویروں پر پھول چڑھانے، یاپرچم کشائی کرنے کے ہی لیے نہیں ہیں بلکہ یہ دن ہمیں ملکی نظام جمہوریت کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کے لیے ہے۔ یہ دن ملک اوراہل ملک کی تقدیراور روشن مستقبل لکھنے کا دن ہے۔ یہ ہرشہری کو یہ باور کرانے کا دن ہے کہ بھارت کے شہری ہونے کے ناطے اس کو اگرکچھ حقوق حاصل ہیں تو اس پرکچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں جس میں سب سے بڑا فریضہ خود جمہوریت کا تحفظ ہے۔

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

بقیہ — فلسطین - پاسبانِ حرم قدسی....

نصرت ومدد کے لئے کھڑا کردے اور یہ صلاح الدین ایوبی کا سچا جانشین بن کرظالموں کوکیفر کردارتک پہنچانے میں اہم رول ادا کرے،، وہ اللہ کی نصرت ومدد کے سہارے اپنی بساط کے مطابق بھرپور تیاری کرے اور اللہ کی مدد پربھروسہ کرتے ہوئے فیصلہ کن جنگ میں کود پڑے اورطارق بن زیاد کی طرح اپنی کشتی جلادے کہ یاتواپنی سرزمین واپس لینا ہے یاموت کوگلے لگانا ہے۔

اسرائیل کے ان جرائم کی سرپرستی کرنے والا امریکہ بھی اس وقت بین الاقوامی سطح پر الجھن کا شکار ہے اوراس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صہیونیوں کی دہشت گردی اور اس کے جرائم ساری دنیا کے سامنے دوپہر کی روشنی کی طرح آشکارہ ہیں، ان حالات میں اس کے جرائم کی پردہ پوشی کرنا اس کا وجہ جواز تلاش کرنا اور یہ کہنا کہ اسے اپنے دفاع کا حق ہے یہ خوداس کے لئے اندرونی وبیرونی سیاسی سطح پر رسوائی وذلت کا سبب اوراس کے اخلاقی گراوٹ کی علامت ہے، آج ساری دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہوچکی ہے، جہاں ہزار چھپانے کے باوجود بات چھپ نہیں سکتی، اور ہزار پروپیگنڈوں کے باوجود سچائی کھل کرسامنے آہی جاتی ہے۔

سب جانتا ہے کہ صہیونی اور یہودی قوم دنیا کی سب سے بزدل قوم ہے، مدمقابل کمزوراور لاغر ہوتب تو وہ ڈینگیں مارتا اور بڑی بڑی باتیں کرتا اور جرأت وہمت کا مظاہرہ کرتا ہے، لیکن اگر مدمقابل کے اندرتھوڑی بھی طاقت ہواور وہ پلٹ کروار کرسکتا اوردوچار تھپڑرسید کرسکتا ہوتو اس کی بزدلی کھل جاتی اوروہ بھیگی بلی بن کراپنے آقاؤں کی خوشامد میں لگ جاتا ہے کہ بیچ میں پڑکر ذرا صلح صفائی کرادو، اس وقت ان کوسابقہ پڑا ہے، القسام بریگیڈ سے جواپنی بساط کے مطابق جواب دے رہے ہیں، اورشہادت کے باوجوداورکسی پست ہمتی کے بغیرمہینوں مقابلہ کرتے رہنے کے عزم کااظہار کررہے ہیں جس سے اسرائیلی عوام اورحکمراں کے اوسان خطا ہوچکے ہیں۔

افسوس کہ اس وقت فلسطینی باشندوں اوردنیا کے مسلمانوں خاص طورپرعرب عوام کوایک نئے قسم کے صہیونیوں کا سامنا ہے جن کا ظہور گذشتہ چند سالوں کے دوران ہوا ہے، جو نہ پاسبان بیت المقدس کے وقت کہہ کرکوشش کررہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو اس ناپاک وجود کے ساتھ حالات کو معمول پر لانے، دوستی کے ہاتھ بڑھانے اور معاہدے طے کرنے میں لگے ہوئے ہیں، بیت المقدس میں جوکچھ ہوا ہے اورہورہا ہے، اسرائیلیوں کی جانب سے جس طرح غزہ اور دوسرے علاقوں میں قتل عام کی کوشش کی گئی اورموب لینچنگ کا جوکھیل کھیلا گیا اورعربوں کوان کی بستیوں سے بے دخل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس سے انہیں الجھن ہورہا ہے، اس پرنہیں کہ فلسطینیوں کے ساتھ ایسا کیوں ہورہا ہے، کہ وہ خوداسرائیل کے ساتھ ساز باز کئے ہوئے اوراس میں برابر کے شریک ہیں، اوران کی رضامندی سے اسرائیل یہ سب کچھ کررہا ہے، بلکہ الجھن انہیں اس پر ہے کہ فلسطینی ان صہیونیوں کی مزاحمت کیوں کررہے ہیں، افسوس کہ اس کے بجائے کہ وہ فلسطینیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ان کی ہمت بڑھاتے، صہیونیوں کے جرائم کی مذمت کرتے، اورفلسطینیوں کوڈٹے رہنے کی تلقین کرتے اور ہرطرح ان کی مدد کرتے الٹے وہ ڈٹنے والے فلسطینیوں کی مذمت کررہے ہیں، یہ کہہ کران کی ہمت پست کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ان کے پاس وسائل نہیں، ہتھیارنہیں اوروہ آگ سے کھیل کراپنے آپ کوہلاکت میں ڈال رہے ہیں، یہ مسلم منافق حکمراں فلسطینیوں کوتو باز آنے کی تلقین کررہے ہیں، جوشاید ان کے آقا کے فرمان کے مطابق ہو، مگر ان کے اندر اتنی ہمت نہیں کہ وہ صہیونیوں کی مذمت کرسکیں، کھل کراسے دہشت گرد ملک قراردیں، بعض عرب حکمرانوں اورمسلم تنظیموں نے اپنا دامن جھاڑنے آبرو بچانے اور مسلمانوں کے سامنے اپنی خفت کومٹانے کیلئے شرماتے ہوئے بیان جاری کیا اور ظالم وجارح کی مذمت کے بغیر حملے روکنے کی اپیل کی ہے جوخود شرم وعار کی بات ہے، سوال یہ ہے کہ کیااب بھی اسرائیل جیسے مجرمین کے ساتھ تعلقات استوار کرنے والے اور دوستی کے دستاویز پر دستخط کرنے والے اپنے موقف پر قائم ہیں؟، اور آج بیت المقدس مسجد اقصیٰ اور پورے فلسطین کی جوحالت ہے، اس المیہ میں ان کا درپردہ کیا رول ہے؟ کیا وہ اسرائیل سے کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ وہ بلا تاخیر بیت المقدس سے نکل جائے اوراس کا مکمل انخلاء کردے اور کیا اسرائیل اپنے ان دوستوں کی باتوں پر کان دھرسکتا ہے۔

حماس نے اس وقت جس جرأت وہمت کا مظاہرہ کیا اورجس طرح سے اسرائیلی جارحیت کا جواب دیا ہے، ان بزدل صہیونیوں کواس کا تصور بھی نہیں تھا، اسی لئے آج ان کے ہوش اڑے ہوئے ہیں۔

مسجد اقصیٰ شیخ جراح جیسے دیگر علاقوں میں ایک ماہ سے انتفاضہ جاری تھا، مگراسرائیلی مظالم کا پانی جب سر سے اونچا ہوگیا تو جواب دینا ناگزیر ہوگیا۔ اب حماس کے میزائیل، تل ابیب سمیت پورے اسرائیلی علاقوں کونشانہ بنارہے ہیں، جس کا اسے وہم بھی نہیں تھا، ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی پیدائش کے بعد سے یہ پہلی بار ہے کہ فلسطینی پورے اسرائیل کواپنے نشانہ پرلئے ہوئے ہیں، اسی سے یہ بھرم بھی کھل گیا کہ اسرائیل کا حفاظتی نظام کتنا کھوکھلا ہے، وہ ڈینگیں مار مار کر یہ باور کراتا رہا ہے کہ اس پر کوئی حملہ نہیں کرسکتا مگراب سب عیاں ہوچکا ہے، کہ یہ سارے دعوے پانی کے بلبلے کے مانند ہیں، یہ درست ہے کہ حماس کے پاس ہتھیاروں کی کمی ہے اس کی کھل کر کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے جبکہ اسرائیل کی مدد دنیا کی ساری بڑی طاقتیں اور پوری یورپی ومغربی نصرانی برادری کررہی ہے، پھربھی اسرائیل کا جواب جس انداز سے اورجس پیمانے پر دیا جارہا ہے وہ نہ صرف اسرائیل کے ہوش اڑانے کے لئے کافی ہے بلکہ ان کے سرپرستوں کے لئے بھی باعث اضطراب ہے غزہ کے راکٹوں کی قوت وحیثیت کمتر ہے، جبکہ اسرائیلی راکٹوں کی قوت وصلاحیت اس سے بہت بڑھ کر ہے، اس لئے فلسطینیوں کے جواب کے مقابلہ میں اسرائیلیوں کا حملہ اوراس کی بمباری سخت ہے اورتباہ کاری بھی بے پناہ ہے، اور یہ خلاف توقع نہیں البہ جو بات خلاف توقع ہے وہ یہ ہے کہ اسرائیلی حفاظتی ڈھانچہ وڈیفنس سسٹم ویسا نہیں جیسا باور کیا جارہا تھا، سو میں پچاس نہیں توکم ازکم دس فیصد حماس کے میزائیل تونشانے پرلگ رہے اوراسے روکا نہیں جارہا ہے، اسرائیل کی ناجائز پیدائش کے بعد سے یہ پہلا موقع ہے کہ دنیا نے فلسطینیو کی کارروائی کی وجہ سے اسرائیلی راجدھانی اور دوسروے شہروں میں آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے عمارتیں تباہ ہوتے ہوئے اور بنیادی خدمات کے وسائل کونذرآتش ہوتے ہوئے دیکھا ہو اور ستر فیصد اسرائیلی باشندے گھروں کے تہ خانوں اور پناہ گاہوں میں چھپ کررہنے پر مجبور ہوئے ہوں جبکہ ایسا پہلے فلسطین لبنان، بیروت اور دوسرے عرب علاقوں میں اکڑنا تھا۔

عرب اسرائیل جنگ میں ان میزائلوں نے ایک نئی تاریخ رقم کی ہے، یہ کوئی سرحدی جنگ نہیں ہے کہ وہاں کچھ جانیں چلی گئی ہوں یا سرحد عبور کرنے میں کچھ لوگ مارے گئے ہوں اورنہ ہی شہری ہوابازی کا طیارہ اغوا کرنے کی واردات ہوجس میں کچھ جانیں تلف ہوتی ہیں بلکہ یہ مزائیل ہے جواسرائیل کے ہرشہر کواپنے نشانہ پرلئے ہوا ہے، یہ میزائل اگرچہ بہت ترقی یافتہ نہیں جیسا کہ اسرائیل استعمال کرتا، فلسطینیوں کی عمارتوں کودھماکے سے اڑاتا اور جسے چاہتا اس کی جان لینے کیلئے استعمال کرتا ہے لیکن ہے تو میزائل جو اسرائیلی شہریوں میں دھماکے کررہا ہے، جس کا اسرائیلی عوام پرنفسیاتی دباؤ حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے جنہیں یہ گمان تھا کہ وہ بالکل مامون ومحفوظ ہیں، اورچین وسکون کے ساتھ جی رہے اور ترقی کررہے ہیں اورلڑائی جہاں ہوتی ہے وہ اس سے دور ہیں، لڑائی عرب علاقوں میں ہے اوروہی مارے جاتے ہیں۔ وہ اب زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ:

ماحول کیوں ہے آج گلستاں کا ماتمی
وہ بلبلوں کا شور مچانا کہاں گیا

ہم حماس اورفلسطینیوں کی جوانمردی، ہمت وجرأت اور جذبہ شہادت وجہاد کوسلام کرتے ہیں، بے شک جنگیں ہتھیاروں سے نہیں جیتی جاتی بلکہ جرأت وہمت اورقوت ایمانی کے ذریعہ اللہ کی مدد سے جیتی جاتی ہے اللہ ہمارے فلسطینی بھائیوں کا حامی وناصر ہو، ان کا تو کہنا ہے۔

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی
میری ہے سرشت میں پاکی ودرخشانی ◻◻

بابا رام دیو کورونا ٹیکہ کاری کوکررہے بدنام، ملک سے غداری کا کیس ہو

کورونا وبا کے درمیان یوگا گرو رام دیو کے ذریعہ ایلوپیتھی علاج پرسوال اٹھانے سے پیدا تنازعہ اب وزیراعظم نریندرمودی کے دربار تک پہنچ گیا ہے۔ انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن نے پی ایم مودی کوایک خط لکھ کررام دیو پرکورونا ٹیکہ کاری کے بارے میں غلط باتیں پھیلانے کا الزام لگایا ہے اوران پر ملک سے غداری کے تحت کیس درج کرتے ہوئے کارروائی کا مطالبہ کیا ہے۔ آئی ایم اے نے بدھ کو وزیراعظم نریندرکو یہ خط لکھا ہے جس میں کہا ہے کہ پتنجلی کے مالک رام دیو کی جانب سے ٹیکہ کاری کولے کر پھیلائی جارہی غلط جانکاریوں کے پھیلاؤ کوروکا جانا چاہیے۔ ایک ویڈیو میں رام دیو نے دعویٰ کیا ہے کہ ٹیکے کی دونوں خوراک لینے کے بعد بھی دس ہزار سے زیادہ ڈاکٹرس اور لاکھوں لوگوں کی موت ہوئی ہے۔

بقیہ : —— مراسلات

پبلک مقامات، تفریح گاہوں اوردفتروں میں پھرے گی تو ظاہر بات ہے کہ یہ چیز مردوں کے جذبات کوابھارے گی اوربے لگام مردوں کواس بات پرآمادہ کرے گی کہ موقع ملے تو وہ اس کی عزت پر ہاتھ ڈال دیں اوراپنی نفسانی خواہش کو پورا کریں اوریہ عورت ان کے لئے کھلونا بن کررہ جائے گی۔

آج کل جس طرز زندگی کی تائید کی جارہی ہے، کچھ عرصہ پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بے حیائی، اباحیت، بداخلاقی اور ہم جنس پرستی سوال یہ ہے کہ اس پر بندھ کیسے باندھا جائے۔ بداخلاقی، بے حیائی اورفحاشی سے ہمارے بچوں، ہماری تہذیب کوبچانے کے لئے کیا جتن کئے جائیں اوریہ کوئی معمولی باتیں نہیں، بڑے اہم سوالات ہیں۔ جن کا جواب ہمارے سماج کو دینا چاہئے۔

عارف عزیز، بھوپال

بقیہ : —— بادام-ایک مفید غذا

ایک ڈبے میں بھرلیں۔ صبح نہارمنہ اورشام کوایک چائے کا چمچہ سفوف ایک گلاس دودھ کے ساتھ کھائیں۔ سردرد، چکر اور دیگر دماغی امراض کے علاج کا تیربہدف نسخہ ہے۔

- خشخاش ۱۲۵ گرام، اس کے ہم وزن سونف، چاروں مغز، بھنے ہوئے چنے ۵۰۰ گرام، چنے چھیل لیں اورخشخاش اچھی طرح دھوکرصاف کرلیں۔ تمام اشیا کوپیس لیں، انھیں یکجا کرکے ایک ڈبے میں رکھ لیں۔ نہارمنہ سادہ پانی کے ساتھ اوررات کوسوتے وقت ایک پیالی دودھ کے ساتھ کھائیں۔
- ایک دیسی انڈا ایک چائے کا چمچہ چینی، دس عدد چھلے ہوئے بادام اورایک چائے کا چمچہ زیتون کا تیل لیں۔ انڈا اچھی طرح پھینٹ لیں۔ بادام اورچینی پیس کرزیتون کے تیل میں شامل کرکے اچھی طرح ملائیں، پھراسے پھینٹے ہوئے انڈے میں ملاکر نہارمنہ کھائیں۔ دماغی کمزوری کیلئے بے حدمفید ہے۔ ◻◻

صدر جمعیۃ علماء امیرالہند مولانا قاری سیّد محمد عثمان منصورپوری کے سانحہ ارتحال پر اظہارِ تعزیت

مولانا حافظ پیر شبیر احمد

(صدر جمعیۃ علماء تلنگانہ وآندھراپردیش)

مولانا حافظ پیر شبیر احمد صاحب صدر جمعیۃ علماء تلنگانہ وآندھراپردیش نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ، بلند پایہ عالم دین، دنیا کی عظیم دینی درسگاہ دارالعوام دیوبند کے محدث، اور ملک کی سب سے قدیم تنظیم ہر نازک موڑ پر ملت اسلامیہ کی رہبری ورہنمائے کا فریضہ انجام دینے والے جماعت جمعیۃ علماء ہند کے صدر تھے، تواضع آپ کی پہچان تھے، چلن میں متبع سنت، لباس میں صاف ستھرائی کا عنصر ہمیشہ غالب رہتا، ہمارے اکابرین نے ملک کی دینی درسگاہ دارالعوام کے عظیم مناصب کیلئے آپ کا انتخاب فرمایا تھا اور آپ قوم وملت کے متاع گراں شخصیت تھے۔ امیر الہندؒ قومی یکجہتی کے فروغ اور اصلاح معاشرہ کے پروگرام کیلئے ہمیشہ کوشاں رہنے والے ممتاز عالم دین تھے، وہ مجھ سے دیرینہ تعلقات رکھتے تھے، کئی بار احقر کی دعوت پر حیدرآباد تشریف لائے اور جمعیۃ علماء کے جلسوں سے خطاب فرمایا، اور جب بھی دہلی میں ورکنگ کمیٹی میں ملاقات ہوتی تو شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، مولانا کی وفات ایک بڑا حادثہ اور خاص طور پر جمعیۃ علماء ہند کیلئے بہت بڑا خسارہ ہے، اور ناقابل تلافی نقصان ہے، امیر الہند کی کمی ہمیشہ محسوس کی جائے گی، اور ان کی خدمات کو برابر یاد کیا جائے گا، مولانا وصال پر میں اور ریاستی جمعیۃ علماء تلنگانہ وآندھراپردیش کے اراکین عاملہ صدور اور نظمائے اعلیٰ اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہے، صدر محترم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ امیر الہند کی خدمات کو قبول فرمائے ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلی مقام عطا فرمائے اور الواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین

جمعیۃ علماء ضلع رامپور

جمعیۃ علماء ضلع رامپور کی جانب سے کاشانہ وفاالرحمٰن پر صدر محترم جمعیۃ علماء ہند واستاد حدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری سید عثمان صاحب منصور پوری کے انتقال پر ایک دعائیہ تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ قاری محمد ساجد صاحب کی تلاوت قرآن اور قاری ریاست علی صاحب کی نعت کے بعد جلسے کا آغاز کیا گیا۔ مولانا محمد فہیم قاسمی صاحب نے حضرت کی پیدائش وہ خدمات اور آپ کے صاحبزادگان حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب و حضرت مولانا مفتی محمد عفان صاحب کے بارے میں تفصیل سے بتایا۔ حضرت کی علمی صلاحیتوں کو ہر ایک نے تسلیم کیا قاری صاحب کا نظام بہت امتیازی ہوتا تھا بہت خاموش مزاج تھے ہمیشہ سر جھکا کے چلتے تھے۔ مفتی محمد اشرف صاحب نے کہا کہ تمام جاندار ایک دن فنا اور ختم ہوجائیں گے باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو اس دنیا میں آیا ہے وہ ایک دن اس دنیا سے جائے گا لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے جانے کا احساس سب کو ہوتا ہے۔ مولانا جلیس احمد صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء نے حضرت کی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہمیں بھی حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مولانا ظہیر الاسلام صاحب جنرل سیکریٹری نے کہا کہ اس خلا کو بھرپانا بہت ہی مشکل ہے حضرت نے بہت سی خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا شوکت علی صاحب صدر جمعیۃ علماء ٹانڈہ نے کہا کہ حضرت کا دنیا سے جانا اس ملت اسلامیہ کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ مولانا محمد صادق علی صاحب نے کہا کہ حضرت کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے قاری صاحب دیکھنے میں سخت معلوم ہوتے تھے لیکن بہت نرم مزاج تھے۔ حافظ محمد شکیل صاحب نے کہا کہ بین الاقوامی شخصیت ہمارے درمیان نہیں رہی ہمیں مرنے والوں سے عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے۔ مولانا لیاقت علی صاحب نے کہا کہ عالمی شخصیت جو ہم سب کو قومی وملی خدمات انتظامی وتدریسی خدمات سے فیضیاب کر رہی تھی وہ شخصیت ہمارے درمیان سے رخصت ہوگئی۔ ڈاکٹر اسعد الظفر رحمانی نے حضرت کے سانحہ کو ملت اسلامیہ کے لئے اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے عظیم خسارا بتایا۔

مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ناتھ نگر، بھاگلپور

جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم، دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم، امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری کے انتقال پر ملال پر مدرسہ عربیہ احیاء العلوم ناتھ نگر بھاگلپور میں ایک تعزیتی نشست ہوئی مدرسہ کے صدر حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی سابق مدیر روزنامہ دیش بدیش بھاگلپور نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری کا سانحہ ارتحال جہاں از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے لئے باعث خسارہ ہے وہیں جمعیۃ علماء ہند اور پوری ملت اسلامیہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے، قاری صاحب ایک متبحر عالم دین، بہترین منتظم، مثالی استاد، مخلص، متواضع اور جرأت و بے باکی سے متصف، بصیرت و بصارت سے لبریز اور مفکرانہ صفات سے متصف تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ مدرسہ کے مہتمم اور جمعیۃ علماء ہند بھاگل پور کے جنرل سکریٹری مولانا اسجد ناظری نظر صاحب نے نم دیدہ ہوکر کہا کہ آج ہم کس کی تعزیت کریں آج تو پوری ملت اسلامیہ یتیم ہوگئے آج پوری ملت کا امیر جاتا رہا آج علم وعمل اور فضل وکمال کا جو آفتاب غروب ہوا ہے وہ پھر کبھی طلوع نہیں ہوگا۔ مولانا ناظری نے کہا کہ قاری صاحب علم وعمل کا جلی عنوان تھے انہیں مدرسہ عربیہ احیاء العلوم سے خصوصی تعلق تھا وہ یہاں کے جلسوں میں بار بار آتے اور ہندوستان میں جہاں کہیں ملتے تو والد محترم مولانا قمرالہدیٰ مفتاحی سابق صدر جمعیۃ علماء بھاگلپور اور مدرسہ کی تفصیلی خیریت دریافت کرتے اور مناسب مشورے بھی دیتے، قاری صاحب مجھے بھی بے پناہ شفقتوں سے نوازتے تھے جسے میں زندگی بھر بھلا نہیں سکتا۔ مدرسہ کے صدر المدرسین مولانا محمد مکی قاسمی صاحب نے کہا کہ قاری عثمان صاحب نے تحفظ ختم نبوت کے لئے جو خدمات انجام دیے ہیں وہ رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے وہ عالمی تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ تھے اور غالباً انہیں کے دور نظامت میں بھاگلپور کے جمگاؤں اور برہ پورہ میں بہت بڑے پیمانے پر سہ روزہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس اور تربیتی پروگرامز کا انعقاد ہوا اور اس کے اثرات دور اور دیر تک محسوس کیے گئے۔

مفتی جاوید اقبال قاسمی

(صدر جمعیۃ علماء بہار)

جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم، اور دارالعلوم دیوبند کے کارگذار مہتمم جناب حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری کا انتقال پر ملال میرا ذاتی خسارہ بھی ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ان سے ہمارے تعلقات تھے، آج ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہم سے رخصت ہوگیا، ان خیالات کا اظہار جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مفتی جاوید اقبال قاسمی صاحب نے کیا، انھوں نے کہا کہ ان سے ہماری پہلی ملاقات خانقاہ مدنی میں حضرت فدائے ملتؒ کے ساتھ ہوئی تھی، جب وہ قرآن کریم کا دور سنا رہے تھے، دارالعلوم دیوبند کے جب وہ استاذ منتخب ہوئے تو ان سے ملاقات ہوئی، تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں میں کئی بار ملاقات ہوئی اور یہ سلسلہ چلتا رہا، انہوں نے کہا کہ دارالعلوم بہادر گنج کشن گنج میں جب تحفظ ختم نبوت کا تین روزہ تربیتی پروگرام تھا، تو حضرت فدائے ملت کے ساتھ میں حضرت قاری صاحب بھی تشریف لائے تھے، اور آپ نے بڑے جامع انداز میں لوگوں کی تربیت فرمائی، انہوں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی نیابت کی ذمہ داری سے جمعیۃ علماء ہند کے ورکنگ کمیٹی کے ممبر پھر صدر وامیر الہند تک ہم نے ہمیشہ انہیں دیکھا کہ وہ صائب الرائے اور امین شخص پایا اور دیکھا، سنت کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی

امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ کی وفات ملت اسلامیہ کا عظیم نقصان ہے، وہ بیک وقت کئی عہدوں پر فائز تھے اور ہر ایک کی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے سینئر استاذ حدیث، وہاں کے معاون مہتمم اور کل ہند تحفظ ختم نبوت کے اعلی ذمہ دار ہونے کے ساتھ ملک کی سرگرم اور فعال تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت کے باوقار عہدے پر فائز تھے۔ اس کے باوجود ہر ایک کی خبر رکھتے، ہر شعبے کی جزئیات پر ان کی نظر ہوتی اور اپنے ماتحتوں کو امانت داری اور اخلاص کے ساتھ کام کی ترغیب دیتے تھے۔ وہ مختلف دینی ورفاہی اداروں کے سرپرست بھی تھے لیکن کہیں بھی انہوں نے اجرت کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی نمایاں ہونے اور شہرت پسندی نے ان کے دامن کو داغ دار کیا، وہ جو کام کرتے تھے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے گویا وہ اپنے کردار اور عمل سے یہ کہ رہے تھے کہ 'میرا اجر اللہ کے پاس محفوظ ہے، مجھے وہاں ایک ایک عمل کا بدلہ توقع سے زیادہ ملے گا'۔ بلاشبہ ان کے جانے سے ملت اسلامیہ ایک مخلص قیادت سے محروم ہوگئی۔ مولانا تمام تر صلاحیتوں اور کئی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود متواضع اور منکسر المزاج تھے، جب کوئی شخص ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتے اہم مصروفیتوں کے باوجود ملاقات کا وقت دیتے، مکمل توجہ اور اطمینان سے بات سنتے اور مسئلے کو حل فرماتے، ان کی مہمان نوازی، شیریں زبانی، دیانت وامانت، حسن اخلاق، عمل وکردار سے اسلاف کی یادیں تازہ ہوتی تھیں، اس لئے ہم انہیں نمونۂ اسلاف کہتے اور جانتے تھے۔ فرائض کی پابندی کے ساتھ نوافل ومستحبات پر خصوصیت کے ساتھ ان کا عمل تھا۔ کسی طالب علم کے بارے میں اگر انہیں معلوم ہوتا کہ یہ یتیم یا نادار ہے تو ان کی کفالت فرماتے اور خاموش انداز میں ان کی مالی مدد کرتے اور قدم قدم پر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ میں نے مؤطا امام مالک ان سے پڑھی ہے، یہ کتاب مسلک امام مالکؒ کی مستدلات سے بھری پڑی ہے لیکن احناف نے جن احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے ان کو بیان کرتے، وجوہ ترجیح پیش کرتے اور اس کتاب میں موجود احادیث کی صحیح تعبیر اور محمل بیان فرماتے لیکن کہیں بھی پوری کتاب کے درس میں ایک مرتبہ بھی کوئی ایسا جملہ نہیں فرمایا جس سے امام مالک یا کسی بھی امام کی علمی شان کی تنقیص یا تنقید ہوتی ہو یا ان کے ادب کے خلاف ہو۔ جب بھی آپ ائمۂ کرام کا نام لیتے تو مکمل احترام سے لیتے اور طلبہ سے فرماتے کہ درسگاہ میں اختلاف رائے کا اظہار محض احادیث مبارکہ کو سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ ہمارے لئے سب قابل احترام ہیں، ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ادنیٰ بے ادبی علم نبوت کے نور سے محروم کرسکتی ہے۔ ان کے ہزاروں شاگرد اور مستفیدین ان کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے تمام پسماندگان اور محبین ومتعلقین کو صبر کی توفیق عطا کرے۔ ❑❑

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

لکشدیپ کے ایڈمنسٹریٹر پرفل پٹیل کو فوری عہدے سے ہٹایا جائے

مکرمی! انڈین یونین مسلم لیگ (آئی یو ایم ایل) کے لوک سبھا رکن ای ٹی محمد بشیر، ایم پی عبدالصمد صمدانی اور راجیہ سبھا رکن پی وی عبدالوہاب نے مشترکہ طور پر عزت مآب صدر ہند رام ناتھ کووند کو ایک مکتوب روانہ کیا ہے جس میں اراکین پارلیمان نے صدر ہند سے درخواست کیا ہے کہ وہ لکشدیپ کے ایڈمنسٹریٹر پرفل کھوڈا پٹیل کو فوری طور پر ان کے عہدے سے ہٹائیں جو لکشدیپ میں غیر جمہوری اور سخت قوانین میں اصلاحات اور ایگزیکٹو ایکشن پر عمل کررہے ہیں۔ مکتوب میں یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ موجودہ صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے ممبرانِ پارلیمان بشمول کیرلا اراکین پارلیمان کے ایک وفد کو لکشدیپ روانہ کیا جائے۔ لکشدیپ ایڈمنسٹریٹر کے غیر جمہوری، سخت قانونی اصلاحت کی وجہ سے لکشدیپ کے غریب شہریوں کو بدنظمی اور پریشان کن تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لکشدیپ کے غریب شہریوں پر ظلم کرنے والے پرفل کھوڈا پٹیل جو گجرات کے ایک سیاستدان ہیں جزیرے میں مقیم ہیں، ۶؍دسمبر ۲۰۲۰ء کو ایڈمنسٹریٹر کے عہدے کا چارج سنبھالا تھا، انہوں نے عوام کے مفاد اور آئینی اصولوں کے خلاف جزیرے میں نئے قواعد وضوابط متعارف کروانا شروع کردیا ہے۔ لکشدیپ پنچایت ریگولیشن ۲۰۲۱ء کو فروری ۲۰۲۱ء میں متعارف کرایا گیا ہے جس کے ذریعہ منتخب پنچایت باڈیز کے اختیار اور افعال واپس لے لئے گئے ہیں۔ ایڈمنسٹریٹر کو بلدیاتی اداروں سے بالاتر بالادستی عطا کی گئی ہے اور یہاں تک کہ بلدیاتی اداروں کے ذریعہ فلاحی اقدامات سے متعلق کاموں کیلئے ایڈمنسٹریٹر کو اختیار دیا گیا ہے۔ جن افراد کے دو سے زیادہ بچے ہیں ان کو نئے ضابطے میں دفعہ ۱۴(۱)(این) کو شامل کرکے الیکشن لڑنے سے نااہل قرار دیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام اقدامات غیر جمہوری اور غیر آئینی ہیں اور مکمل طور پر دستور ہند کی ۷۳ویں ترمیم کی روح کے خلاف ہے۔ ایڈمنسٹریٹر نے لکشدیپ جانوروں کے تحفظ سے متعلقہ قانون ۲۰۲۱ء کے نفاذ کے ذریعہ نئے قانونی اصلاحات کو متعارف کروایا ہے۔ مذکورہ بالا ایکٹ کا سیکشن ۵ میں اس ریاست میں گائے کے گوشت پر پابندی ہے جہاں سو فیصد آبادی غیر سبزی خور ہے۔ مزید یہ کہ لکشدیپ میں اب شراب نوشی کی اجازت ہے۔ یہ تمام قانونی اصلاحات جزیرے میں مقیم شہریوں کے ثقافتی اور مذہبی رواج اور حقوق کے خاتمے کیلئے متعارف کرائی گئی ہیں۔ لکشدیپ میں ایک اور قانونی اصلاح کی گئی ہے اور غنڈہ ایکٹ متعارف کیا گیا ہے۔ حقیقت میں لکشدیپ ایک یونین پردیس ہے جہاں مجرمانہ مقدمات صفر ہیں۔ غیر جمہوری قوانین کے نفاذ کے خلاف احتجاجات پر قابو پانے کیلئے غنڈہ ایکٹ متعارف کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ لکشدیپ میں مقامی ملازمین کو ایڈمنسٹریٹر کے ذریعہ سرکاری خدمات سے برخاست کردیا گیا ہے اور ریاستی انتظامیہ ماہی گیروں اور دیگر کے خلاف فوجداری مقدمات درج کررہی ہے۔ ایڈمنسٹریٹر کی سرگرمیاں آزادی سے قبل کے دورانیے میں برطانوی طرزِ انتظامیہ کا اعادہ کرتی ہیں۔ لکشدیپ واحد یونین علاقہ ہے جہاں ۱۸؍جنوری ۲۰۲۱ء تک کوئی کوویڈ کیس رپورٹ نہیں ہوا تھا۔ نئے ایڈمنسٹریٹر پرفل پٹیل نے کوویڈ کی تمام پابندیوں میں نرمی کی ہے جو وباء کے تیزی سے پھیلاؤ کا باعث بنی۔ ۲۳؍مئی ۲۰۲۱ء تک لکشدیپ میں آبادی کا تقریباً ۷ فیصد کوویڈ سے متاثر ہوا ہے اور کل ۴؍اموات کا معاملہ سامنے آیا ہے اور ٹیسٹ مثبت ہونے کی شرح ۶۸ فیصد سے زیادہ ہے۔ لکشدیپ ایک جزیزہ ہے جہاں کافی طبی سہولیات میسر نہیں ہیں، لہٰذا دیگر ریاستوں اور یونین پردیسوں کی نسبت زیادہ پریشانیوں کا سامنا ہے۔ یہ سب ایڈمنسٹریٹر کے ناجائز مقاصد اور خراب انتظامیہ کے نتیجہ ہے۔ لکشدیپ کے لوگ ملیالم بولنے والے ہیں اور ان کا سفر مقام اور انتظامیہ کے دفاتر کیرلا میں واقع ہیں۔ دیکھا جارہا ہے کہ سفر مقام اور دیگر دفاتر کو منگلور کرناٹک منتقل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ایڈمنسٹریٹر کا پوشیدہ ایجنڈا بہت اچھی طرح سے تیار کیا ہے جسے وہ لکشدیپ میں لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ ایڈمنسٹریٹر کے ذریعہ کیئے جانے والے اقدامات آئین ہند کے تحت محفوظ جمہوری اصولوں اور حقوق آزادی پر حملہ ہیں۔ اس ضمن میں رکن پارلیمان ای ٹی محمد بشیر نے ابتدائی مرحلے کے دوران ہی لوک سبھا کے ممبر کی حیثیت سے ۱۳؍فروری ۲۰۲۱ء کو پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ اٹھایا تھا۔

ایس ایچ محمد ارشد

مغربی معاشرہ میں اخلاقیات کا فقدان مذہب سے دوری کا نتیجہ

مکرمی! مغربی اقوام میں یہ خوبی تو ہے کہ اُن کے یہاں بنیادی اخلاق پائے جاتے ہیں۔ وہاں کے ممالک لوگوں کی فلاح کے لئے ان کی بنیادی ضروریات کے لئے اکثر وبیشتر ایک فلاحی اسٹیٹ کا نمونہ پیش کرتے ہیں، لیکن مادی ترقی نے وہاں کے معاشرتی نظام، گھریلو بندھنوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور یہ سیلاب کیا رنگ لائے گا پتہ نہیں۔ اخلاقی اقدار سے عاری تصورات نے خاندانی زندگی کو بے حد متاثر کیا ہے۔ اس ترقی نے مکانوں کو تو سجا دیا ہے لیکن مکینوں کے دلوں کا سکون چھین لیا ہے۔ ایک پولیس آفیسر نے ایک لکچر میں جو ٹورنٹو کے ایک ثانوی اسکول میں منعقد ہوا تھا طالبات کو یہ مشورہ دیا کہ وہ بے ڈھنگے اور کم لباس کو استعمال نہ کریں کہ اس کی وجہ سے شر پسند لوگوں کو ان کی عصمت پر ڈاکہ ڈالنے کی ترغیب ملتی ہے اور وہ ان لوگوں کا نشانہ بن جاتی ہیں۔ اس بیان پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور عورتوں نے یہ کہا کہ وہ اس معاملے میں آزاد ہیں کہ جس طریقہ کا چاہے وہ لباس استعمال کرسکتی ہیں اور انہیں اس بات کا حق حاصل ہے۔ ان کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کا یہ کوئی معقول جواز نہیں بلکہ وہ عام طور پر بھی شر پسند مردوں کا نشانہ بنتی ہیں۔ وہاں کی لڑکیوں نے اس بات کو لیکر گلیوں میں مارچ منظّم کیا اور اس پر احتجاج بھی کیا اور اسی طرح کے مظاہرے دوسرے ملکوں اور شہروں میں بھی چل پڑے۔ ان مظاہروں سے یہ تاثر ملنے لگا کہ کہیں یہ عورتوں کی انفرادیت کی برقراری اور مردوں کے برابر ہونے کے حقوق کی لڑائی تو نہیں ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک معقول مشورہ پر ہنگامہ کھڑا کردیا گیا۔ اس پولیس آفیسر نے عورتوں کی حفاظت کے لئے ان طالبات کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ ایسا لباس پہننے سے گریز کریں جس کی وجہ سے شر پسند مردوں کو ان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع ملتا ہے۔ عورت ہی ایسی چیز کا نام ہے جس کے خدوخال، چال ڈھال، اس کے لباس اور اس کی آواز میں دوسری جنس کے لئے کشش کا سامان مہیا کردیا گیا ہے۔ لہٰذا جب وہ مختصر سا لباس پہن کر گلیوں، بازاروں اور (باقی صـ۱۴ پر)

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI
Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 21 May 2021
Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi
R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر

عارف عزیز، بھوپال

•ماحولیاتی تبدیلی انسانیت کا بڑا مسئلہ

•موسموں کا تغیر و تبدل انسانی کارستانیوں کا نتیجہ

ماحولیاتی تبدیلی انسانیت کا بڑا مسئلہ

دنیا کے ماحول میں تیزی کے ساتھ ہونے والی تبدیلیوں سے موسموں میں بڑے پیمانے پر منفی تغیرات آرہے ہیں۔ فضا میں موجود تہہ جو سورج کی تپش اور زمین کے درمیان ایک فلٹر کا کام کرتی ہے، وہ دنیا بھر میں موجود کارخانوں اور گاڑیوں وغیرہ میں جلنے والے ایندھن سے خارج ہونے والی مہلک گیسوں کی بھاری مقدار سے شدید متاثر ہورہی ہے۔

ان گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج اُن ممالک میں زیادہ ہورہا ہے جو صنعتی ترقی کے اعتبار سے سب سے برتر شمار ہوتے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی

> **صنعتی سرگرمیوں نے ماحول میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو دوگنا سے زیادہ بڑھادیا ہے۔ یہ درست ہے کہ گرین ہاؤس گیسوں میں صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ ہی نہیں بلکہ میتھین اور نیٹروس آکسائیڈ بھی شامل ہیں لیکن کرۂ ارض کے درجہ حرارت کو متاثر کرنے میں سب سے زیادہ کردار کاربن ڈائی آکسائیڈ کا ہے۔**

کے دوران پوری دنیا میں کوئلے اور تیل کے جلائے جانے کے نتیجے میں خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس دنیا کے ماحول کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے جس کے نتیجے میں ہونے والی تیز رفتار موسمی تبدیلیاں بعض خطوں میں درجہ حرارت میں نقصاندہ حد تک اضافے کا باعث بن رہی ہیں جبکہ کچھ علاقوں میں سردی ناقابل برداشت حد تک بڑھ رہی ہے۔ انہی ماحولیاتی تبدیلیوں کے زیر اثر دنیا بھر میں پانی کے ذخائر میں شدید عدم توازن پیدا ہوچکا ہے۔ اگر اس اہم اور حساس مسئلے کی جانب سنجیدگی سے توجہ نہ دی گئی تو گرین ہاؤس کے شدید اثر کے تحت دنیا بھر کے گلیشیرز مزید تیزی سے پگھلنا شروع ہوجائیں گے جس سے سمندر کی سطح میں غیر معمولی اضافہ ہوجائے گا، جو انسانی آبادیوں کے لیے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق اگر صورت حال میں بہتری نہ آئی تو ۲۱۰۰ء تک سمندروں کی سطح میں ۵۲ سے ۹۸ فیصد تک اضافہ ہوجائے گا، جس کے نتیجے میں ساحلی شہروں، جزیروں پر موجود آبادیوں اور نشیبی ڈیلٹاؤں کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس ماحولیاتی تبدیلی کے نتیجے میں فصلوں اور پودوں کی قدرتی نشو نما بھی شدید متاثر ہوسکتی ہے۔ زیادہ نقصان اُن زرعی زمینوں کو پہنچے گا جو سمندروں اور دریاؤں کے قریب واقع ہیں۔ پانی کی غیر متوازن موجودگی کے باعث بعض علاقوں میں تو اچھی فصلیں اور درخت ہوں گے جبکہ دوسرے بہت سے علاقے بنجر رہ جائیں گے۔ عالمی ماحولیاتی تبدیلیوں پر تیار کی جانی والی ایک جائزہ رپورٹ میں دنیا بھر کے ۱۳سو غیر جانب دار ماہرین اور سائنس دانوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ گزشتہ اڑھائی سو برسوں میں ہونے والی انسانی سرگرمیوں نے ہمارے اس سیارے کی حرات میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔

جدید تمدنی زندگی کے لیے لازمی تصور کی جانے والی صنعتی سرگرمیوں نے ماحول میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کو دوگنا سے زیادہ بڑھادیا ہے۔ یہ درست ہے کہ گرین ہاؤس گیسوں میں صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ ہی نہیں بلکہ میتھین اور نیٹروس آکسائیڈ بھی شامل ہیں لیکن کرۂ ارض کے درجہ حرارت کو متاثر کرنے میں سب سے زیادہ کردار کاربن ڈائی آکسائیڈ کا ہے کیونکہ مقدار کے اعتبار سے یہ باقی دو گیسوں کی نسبت کئی گنا زیادہ پائی جاتی ہے۔

یہ حقیقت اپنی جگہ کہ انہی گرین ہاؤس گیسوں کے ایک کمبل نے سطح زمین پر بسنے والے جانداروں کو شدید ترین سردی سے بچایا ہوا ہے مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کمبل کی موٹائی میں ہونے والا غیر معمولی اضافہ بھی زمین پر بسنے والے جانداروں کے لئے اچھا نہیں۔ کچھ ماہرین ناسا کی تحقیق کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ گزشتہ کچھ دہائیوں سے سورج سے نکلنے والی گرمی میں بھی اضافہ ہوا ہے جو براہ راست زمین کے ماحول پر اثر انداز ہورہا ہے۔

ناسا کے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ ۲۰۰۷ء سے سورج کے مشرقی حصے پر ایک مقناطیسی قطب پیدا ہوگیا ہے جو پہلے سے زیادہ گرمی کا باعث بن رہا ہے لیکن دوسرے بہت سے ماہرین جو سورج کی توانائی میں کمی یا بیشی کے قائل نہیں ہیں، اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ کرۂ ارض کی گرمی کا بڑا ذمہ دار گرین ہاؤس گیسوں کو ہی قرار دیتے ہیں۔

دنیا کے درجہ حرارت کا براہ راست تعلق اس کے توانائی وصول کرنے اور چھوڑنے کے ساتھ ہے۔ جب سورج سے آنے والی توانائی کو زمین اپنے اندر جذب کرتی ہے تو کرۂ ارض کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے اور جب زمین یہ توانائی واپس خلا میں بھیجتی ہے تو زمین ٹھنڈی ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ماحولیاتی تبدیلیاں انسانیت کا سب سے بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔

موسموں کا تغیر و تبدل انسانی کارستانیوں کا نتیجہ

موسموں میں تبدیلی کسی زمانہ میں ایک طے شدہ نظام کے تحت ہوا کرتی تھی، عموماً ہر موسم اپنے وقت مقررہ پر یا اس کے کچھ آگے پیچھے شروع ہوجاتا تھا اور استفادہ عام کا باعث بنتا تھا لیکن نئی نئی ایجادات اور ان کے استعمال نیز قدرتی وسائل کی بربادی سے انسان نے ماحولیات کو کافی کچھ نقصان پہنچایا ہے۔ مثال کے طور پر جنگلوں کی بڑے پیمانے پر قطع برید، کھلے مقامات پر بلند و بالا کمپلیکس کی تعمیر، ان میں سیمنٹ و کنکریٹ کا استعمال، آمد ورفت کے وسائل میں روز افزوں اضافہ، پرانی سواریوں کی جگہ پیٹرول اور ڈیزل سے چلائی جانے والی نئی گاڑیوں کی تعداد میں اندھا دھند زیادتی اور کولتار سے بنی چکنی سکوں نیز چٹیل میدانوں نے آج موسم کے تیوروں کو دس بیس سال پہلے کے مقابلہ میں بہت کچھ تبدیل کردیا ہے اور اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب کتنی سردی ہوگی یا کتنی گرمی پڑے گی۔

موسم سرما میں درجہ حرارت پہلے کے مقابلہ اب کافی گرتا جارہا ہے بارش کے موسم میں کہیں خشک سالی تو کہیں سیلاب آجاتا ہے، شدید گرمی میں بادل گھر آنے سے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں تو کبھی ٹیمپریچر میں غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس سال بھی ہمارے ملک کی کئی ریاستی خشک سالی کا شکار ہیں، آندھرا، راجستھان، اڑیسہ، گجرات وار مدھیہ پردیش میں لوگوں کو پینے کے لئے پانی تک دستیاب نہیں، زمین سوکھ چکی ہے، ہزاروں دیہاتوں میں جانور پیاسے تڑپ تڑپ کر مررہے ہیں۔

پانی کی اس قلت کے بارے میں عالمی اداروں، بشمول ورلڈ واچ انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن کا کہنا ہے کہ یہ آفت انسانوں کے اپنے ہاتھ کی لائی ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے اور ریاستی سرکاروں نے ہندوستان میں پانی کی شدید قلت کے بارے میں تنبیہ کو نظر انداز کردیا، زیر زمین آبی سطح کے تشویشناک حد تک گر جانے پر بھی وہ خاموش تماشائی بنے رہے۔ اس کا نتیجہ آج مدھیہ پردیش، گجرات اور راجستھان وغیرہ کے لوگ بھگت رہے ہیں۔ اور پنجاب، ہریانہ، آندھرا میں بھی اس کے اثرات محسوس ہونے لگے ہیں۔ ماہر موسمیات کا کہنا ہے کہ جاری صدی کے پچاس سالوں کے دوران جہاں بارش کی مزید کمی ہوسکتی ہے وہیں درجہ حرارت بھی کافی بڑھ جائے گا اور یہ سب فطرت سے چھیڑ چھاڑ اور قدرتی وسائل کو برباد کرنے کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح موسم کی ہر سختی کا جدید وسائل اور سامان تعیش سے مقابلہ کرنے کا رجحان آج کے انسانوں میں بڑھتا جارہا ہے پرانے نظام اور طور طریقوں کو عام طور پر خیر باد کہہ دیا گیا ہے اور اسی وجہ سے موسم کی سختی انسان کو زیادہ محسوس ہونے لگی ہے۔

پختگی کی چاہ نے آج انسان کو فطرت کے حقائق اور اس کے تقاضوں سے دور کردیا ہے مٹی اس کے لئے بے معنی ہوکر رہ گئی ہے جب کہ سچائی یہ ہے کہ انسان کا سارا وجود مٹی کی ہی دین ہے اور آخر کار اسے ایک دن مٹی میں ملنا ہے۔ اگر ٹھنڈے دل کے ساتھ انسان ماحول کی اس زہرناکی کا جائزہ لے تو یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوجائے گا کہ انسان اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو دشوار بنانے میں

> **پختگی کی چاہ نے آج انسان کو فطرت کے حقائق اور اس کے تقاضوں سے دور کردیا ہے مٹی اس کے لئے بے معنی ہوکر رہ گئی ہے جب کہ سچائی یہ ہے کہ انسان کا سارا وجود مٹی کی ہی دین ہے اور آخر کار اسے ایک دن مٹی میں ملنا ہے۔ اگر ٹھنڈے دل کے ساتھ انسان ماحول کی اس زہرنا کی کا جائزہ لے تو یہ اعتراف کرنے پر مجبو رہوجائے گا کہ انسان اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کو دشوار بنانے میں مصروف ہے۔**

مصروف ہے اور اپنی ذات کے خول میں دھیرے دھیرے بند ہورہا ہے۔ لہٰذا آج ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنی زندگی کو فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرے مصنوعیت سے دور رہے اور اپنے آپ کو زمین سے جوڑے رکھے۔ مٹی پر اپنے قدم جما کر چلنا سیکھے۔ ورنہ زندگی دردسر بن جائے گی جیسا کہ مغربی ممالک میں ہورہا ہے کہ وہاں کا انسان پوری طرح مصنوعی نظام، مشینوں کی کارفرمائی اور آلات کا محتاج بن کر رہ گیا ہے یا براعظم افریقہ کا حال ہے کہ وہاں کے ایتھوپیا اور سوڈان جیسے کئی ممالک قدرتی وسائل کو برباد کرنے اور فطرت کو نظر انداز کرنے کی پاداش میں قحط اور بھکمری کا شکار ہیں ہندوستان کے لوگوں کے لئے یوروپ اور افریقہ کی ان مثالوں میں کوئی سبق نظر آتا ہے تو وہ یہی ہے کہ انسان فطرت سے محبت کرنا سیکھے، قدرتی وسائل کو برباد کرنے سے پرہیز کرے موجودہ دور کے مشینی نظام کا پوری طرح محتاج بن کر نہ رہ جائے اور فطرت کے خلاف ہر قدم سے باز آجائے۔ □□

جمعیۃ علماء اترپردیش کے صدر حضرت مولانا متین الحق اسامہ کانپوری ؒ کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی خصوصی اشاعت
مولانا متین الحق اسامہؒ نمبر
جس میں مولانا قاسمی نوراللہ مرقدہٗ کے احوال زندگی، قومی و ملّی خدمات
نیز دینی، علمی اور اصلاحی سرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے
الجمعیۃ کی ویب سائٹ پر ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ہفت روزہ **الجمعیۃ** انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: **www.aljamiat.in**
رابطہ: **9811198820** ای۔میل: **aljamiatweekly@gmail.com**

ضروری اعلان

آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ
9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ **الجمعیۃ** مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

Printed & Published by **SHAKIL AHMAD SYED** on behalf of **Jamiat Trust Society** printed at **Shervani Art Printers**, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor **MOHD. SALIM**, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.
Designing & Composing: HUMRAN AZMI